www.urduchannel.in

ہم اردو کیسے پڑھائیں

اردو چینل
www.urduchannel.in

معین الدین

سَ سَا سِ سِی سُ سُو
سے سَے سو سَو

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی
اشتراک
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

ہم اردو کیسے پڑھائیں

معین الدین

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

www.urduchannel.in

© مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

Hum Urdu Keise Padhaein
by
Mueen Uddin
Rs. 74/-

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔110006 ☎ 011-23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔400003 ☎ 022-23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔202002 ☎ 0571-2706142

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2011 تعداد: 1100 قیمت: 74 روپے

ISBN :978-81-7587-464-0 سلسلۂ مطبوعات:1370

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

فون نمبر:49539000 فیکس: 49539099

ای میل: urducouncil@gmil.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: سلاسار امپرنٹنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرز، C-7/5 لارینس روڈ، انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110035

اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

www.urduchannel.in

معروضات

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جو اپنے ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ 1922ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا آگے کی جانب گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر سفر جاری رہا اور اشاعتوں کا سلسلہ کلی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

اس ادارے نے اردو زبان و ادب کے معتبر و مستند مصنفین کی سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے کم قیمت کتابوں کی اشاعت اور طلبا کے لیے ''درسی کتب'' اور ''معیاری سیریز'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی تیاری بھی اس ادارے کے مفید اور مقبول منصوبے رہے ہیں۔ ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطل پیدا ہوگیا تھا جس کی وجہ سے فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جارہی تھیں شائع ہوچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب تمام کتابیں مکتبہ کی دلی، ممبئی اور علی گڑھ شاخوں پر دستیاب ہیں اور آپ کے مطالبہ پر بھی روانہ کی جائیں گی۔

اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور مکتبہ کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) کی خصوصی دلچسپی کا ذکر ناگزیر ہے۔ موصوف نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے فعّال ڈائرکٹر جناب حمید اللہ بھٹ کے ساتھ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے درمیان) ایک معاہدے کے تحت کتابوں کی اشاعت کے معطّل شدہ عمل کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اس سرگرم عملی اقدام کے لیے مکتبہ جامعہ کی جانب سے میں ان صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ تعاون آئندہ بھی شاملِ حال رہے گا۔

خالد محمود

مینجنگ ڈائرکٹر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

اُردو کیسے پڑھائیں

پیش لفظ	۵
۱۔ زبان کی نوعیت	۷
۲۔ زبان کی اہمیت	۱۳
۳۔ زبان کی تعلیم	۱۶
۴۔ زبان بحیثیت علامت	۲۴
۵۔ اُردو زبان کا تعارف	۲۸
۶۔ اُردو کی ابتدا سے متعلق مختلف نظریات	۳۱
۷۔ تدریسِ اُردو کے مقاصد	۳۹
۸۔ اُردو کا نصاب	۴۴
۹۔ سماعت اور گفتگو	۵۶
۱۰۔ پڑھنا	۶۶

www.urduchannel.in

۱۱۔ پڑھنا سکھانے کے طریقے	۷۴
۱۲۔ لکھنا سکھانا	۸۶
۱۳۔ تدریسِ نثر	۹۴
۱۴۔ تدریسِ نظم	۱۰۵
۱۵۔ تدریسِ انشا	۱۱۲
۱۶۔ تدریسِ قواعد	۱۲۱
۱۷۔ طریقۂ امتحان اور جانچ	۱۲۶
۱۸۔ امدادی اشیاء اور دیگر وسائل	۱۴۷
۱۹۔ درسی کتاب	۱۵۹
۲۰۔ بچّوں کا ادب	۱۶۸
۲۱۔ سبق کے اشارات	۱۷۶

www.urduchannel.in

پیش لفظ

ہماری درس گاہوں کے اندر اُردو زبان میں مختلف علوم کی کتابیں ہمیشہ کم یاب رہی ہیں۔ حصولِ آزادی کے بعد بوجوہ نہ صرف اردو کے ذریعے تعلیم دینے کے مواقع محدود ہوئے بلکہ اردو کی درسی کتابوں کا تو فقدان ہی ہو کر رہ گیا۔ گذشتہ چالیس برسوں میں خود اردو کی تدریس سے متعلق گنتی کی دو چار کتابیں ہی منظرِ عام پر آئی ہیں اور ابتدائی مدارس میں اردو کے طریقۂ تعلیم سے متعلق تو کوئی بھی قابلِ لحاظ کام سرانجام نہیں پایا ہے۔ اس ضمن میں تربیتِ اساتذہ کے اداروں نے بھی تحقیقی اور علمی کام کی طرف بس برائے نام ہی توجہ کی ہے اور ابتدائی مدارس میں اُردو کی تدریس کے طریقوں پر تو اُچٹتی سی نظر بھی ڈالنے کا خیال نہیں آیا ہے۔ یہ صورتِ حال اُردو زبان کے حصول اور فروغ میں مزید دشواری کا باعث بنی ہے۔

بدلتے ہوئے سماجی اور سیاسی ماحول نے اردو کی تدریس کے پُرانے ڈھنگ اور ضابطوں کو نہ صرف ناقابلِ قبول بنا دیا ہے بلکہ بیشتر گمراہ کُن بھی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اردو پڑھانے اور سکھانے سے متعلق نصابی کتب کی کمی بڑی شدّت سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ اُردو کی ترویج و اشاعت اور مقبولیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اردو کی تعلیم کے طریقوں اور قاعدوں کو عصری آگہی عطا کی جائے اور انھیں اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بنایا جائے۔ ایسی صورت میں سب سے زیادہ اور فوری توجہ ابتدائی منزل پر تدریسِ اردو کو بہتر اور موثر بنانے کی طرف درکار ہے۔

'ہم اردو کیسے پڑھائیں' ہماری ایک ایسی ہی ضرورت کو بروقت پورا کرتی ہے۔ اس میں ابتدائی منزل پر تدریسِ اردو سے متعلق جملہ ضروری مسائل کا احاطہ کر لیا

www.urduchannel.in

گیا ہے۔ موضوعات کے نظری رُخ پر نگاہ کرنے کے بعد ان کے عملی پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے اور اُن اُمور کی طرف خاص طور پر توجہ کی گئی ہے جو ایک زیرِ تربیت استاد اور نوآموز معلّم کو پیش آتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ہر نوعیت کے سبق سے متعلق اشارے پیش کر کے ایک ایسا قابلِ عمل نمونہ فراہم کر دیا گیا ہے جو نکات کی صراحت کرنے کے علاوہ رہنمائی بھی کرتا ہے۔

معین الدین صاحب تقریباً گذشتہ پچیس سال سے تربیتِ اساتذہ کے کام سے وابستہ ہیں۔ اُن کا خاص مضمون 'طریقۂ تدریس اردو' ہے جسے وہ ابتدائی اور ثانوی دونوں منزلوں کے زیرِ تربیت اساتذہ کو پڑھاتے رہے ہیں اور اپنے موضوع سے متعلق تحقیق کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ وہ بیرونِ ملک بھی اردو کے اساتذہ کی تربیت سے وابستہ رہ چکے ہیں، اور تین سال قبل ثانوی مدارس میں، اُردو زبان کی تدریس، سے متعلق ایک کتاب کے مصنّف بھی ہیں۔ وہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے ایک نہایت تجربہ کار اور بالغ نظر استاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی اس تازہ پیش کش میں عنوانات کے تنوّع سے اندازہ ہو سکے گا کہ اردو کی تدریس کے مسائل پر ان کی گرفت کیسی ہے اور خود ان کا بیان ثبوت دے گا کہ ان کے پیرائے میں کتنی سلاست و روانی پائی جاتی ہے نیز وہ اپنے اندر اظہارِ خیال کی کتنی قدرت رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع سے متعلق ان کی فکر کی وسعت اس بات کی بھی غمّازی کرتی ہے کہ اردو کے استاد کو صرف اردو کے طریقۂ تدریس ہی کا نہیں بلکہ ادب اور نفسیات کا بھی نکتہ سنج ہونا چاہیے۔ مزید برآں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اسے رفتارِ تعلیم کا ادراک اور گہرا سماجی شعور بھی درکار ہوتا ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری
۲۵/ دسمبر ۱۹۸۶ء

۴۴۔ اے۔ اوکھلا جامعہ نگر
نئی دہلی ۲۵

www.urduchannel.in

۱۔ زبان کی نوعیت

زبان:

زبان ایک عضوِ تکلم بھی ہے اور بول بھی۔ یہاں زبان کے آخر الذکر مفہوم سے مراد ہے جس کے تحت عضوِ تکلم سے مختلف قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان آوازوں کے پیدا ہونے کے دو اسباب ہیں ایک یہ کہ بولنے والے کا اپنا کوئی تقاضا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ کسی خارجی تقاضے کے تحت لسانی ردِ عمل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے زبان میں مہمل اور بامعنیٰ دونوں قسم کی آوازیں شامل ہیں۔

زبان کے ذریعے انسان اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار کرتا ہے اور دوسروں کے خیالات کو اخذ کرتا ہے۔ اظہار و اخذ کا یہ عمل علامتوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ گویا زبان بامعنیٰ آوازوں اور ان کی علامتوں کا مجموعہ ہے جس کے توسط سے انسان، بول کر یا لکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور دوسروں کے خیالات اخذ کرتا ہے۔ اس اعتبار سے زبان کے دائرے میں تمام حروف اور تمام الفاظ یا الفاظ کے مجموعے شامل ہیں۔ ان کے درمیان ایک داخلی ربط ہوتا ہے اس لیے علامات و کلمات کے اس صوری و معنوی نظام کی بڑی اہمیت ہے۔

اس قدیم تصوّر کے مقابلے میں زبان کا جدید تصوّر نشو و نمائی اور ارتقائی ہے جس کے تحت زبان کو شخصیت کی نشو و نما کا ایک موثر ذریعہ تصوّر کیا جاتا ہے گویا زبان کو علامات و کلمات کے منطقی نظام سے بالاتر مانا گیا ہے۔

ابلاغ و اظہار کے لیے انسان جو زبان استعمال کرتا ہے وہ جب علامات میں ظاہر کی جائے تو تحریر کی زبان بن جاتی ہے۔ یہ زبان لکھے ہوئے حروف پر مشتمل ہوتی ہے اور ترقی

www.urduchannel.in

کرتے کرتے ادبی زبان بن جاتی ہے۔ جس کے ذریعے انسانی تجربات کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور آیندہ نسلوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

زبان کا علاقہ وسیع ہوتا ہے۔ ایک خطّے کے رہنے والے لوگ عام طور پر ایک ہی زبان بولتے ہیں جو اس خطّے کی علاقائی زبان کہلاتی ہے۔ ہندستان میں ریاستوں کی تقسیم انھیں علاقائی زبانوں کی بنیاد پر عمل میں آئی ہے۔

زبان میں تبدیلی بہت کم ہوتی ہے عام طور پر زبان کا ایک معیار مقرر ہوتا ہے اور اُسی اعتبار سے زبان کو جانچا پرکھا جاتا ہے۔ زبان میں تبدیلی اس وقت عمل میں آتی ہے جب کوئی بڑی سماجی تبدیلی رونما ہو، ورنہ عام طور سے زبان کے معیار کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ زبان کوئی جامد چیز نہیں۔ پھر ہر زبان کی اپنی علاحدہ شخصیت ہوتی ہے جو معاشی، سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ نمو پذیر رہتی ہے۔ اس اعتبار سے زبان میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور دیگر زبانوں اور تہذیبوں سے اخذ و قبول کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

بولی:

زبان جس خطّے میں بولی جاتی ہے اس میں عام طور پر چھوٹے چھوٹے علاقوں میں مقامی بولیاں بھی بولی جاتی ہیں۔ لیکن مختلف بولیوں میں اس بنا پر تمیز نہیں کی جاسکتی کہ کوئی ایک بولی دوسری سے برتر ہے۔ زبان، مقامی بولیوں سے ہی توانائی حاصل کرتی ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ ہر زبان مختلف بولیوں میں تقسیم ہوتی ہے، ہوتا یہ ہے کہ ایک بڑے علاقے کے لسانی گروہ میں وقت اور زمانے کے ساتھ مقامی خصوصیات پیدا ہوجاتی ہیں۔ انھیں خصوصیات کے باعث زبان مختلف بولیوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ ایک بولی کے بولنے والے عموماً ایک ہی طرح کی زبان استعمال کرتے ہیں، تاہم ان کی انفرادی بولیوں میں فرق ہوتا ہے۔

بولی ایک غیر معیاری زبان ہوتی ہے جو کسی خطّے کے عوام میں رائج ہوجاتی ہے لیکن اس کی کوئی تنظیم نہیں ہوتی اور نہ اس کی کوئی ادبی حیثیت ہوتی ہے۔ بولی وہ مقامی زبان ہے جس میں عام طور پر لوگ بات چیت کرتے ہیں لیکن اس کا کوئی ضابطہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی قواعد ہوتی ہے چنانچہ ایک ہی خطّے کے بولنے والوں کی بولی میں فرق ہوتا ہے۔

زبان کا علاقہ جس قدر وسیع ہوگا وہاں اسی قدر زیادہ بولیاں ہوں گی۔ اگر وہاں کے رہنے

www.urduchannel.in

والوں کا آپس میں میل جول کم ہوگا تو اس بات کا امکان ہے کہ وہاں بولیوں کی تعداد زیادہ ہو۔ ہمارے ملک میں بہت سے قبائلی علاقے ہیں اور ان میں سے بعض بالکل ہی غیر متمدن ہیں جن میں نقلِ مکانی کے مواقع بہت کم میسّر آتے ہیں اس لیے ان علاقوں میں مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں۔ کہیں کسی بولی میں تلفظ کا اختلاف پایا جاتا ہے تو کہیں لفظیات کا۔ کہیں بولی، ترقی یافتہ ہو کر زبان کا منصب اختیار کر لیتی ہے اور کہیں وہ بولی ہی رہ جاتی ہے۔

زبان کی تشکیل:۔

ہر زبان کا اپنا ایک نظام ہے، ایک ایسا نظام جو مختلف سطحوں پر کارفرما اور مختلف عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں صرفی نحوی، خصوصیات، الفاظ اور جملے بنیادی ساخت کا کام کرتے ہیں۔ لہٰذا زبان کی بنیادی ساخت کا علم حاصل کیے بغیر زبان سیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ماہرینِ لسانیات کا خیال ہے کہ زبان استعمال کرنے والا اگر اس نظام سے واقف نہ ہو جس سے زبان کی تشکیل ہوئی ہے تو وہ صحیح طور پر زبان کا استعمال نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ دو آدمی جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ایک دوسرے کی بات اس لیے سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اس زبان کے نظام سے واقف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی بولنے والے دو اشخاص ایک دوسرے کی بات اس لیے سمجھ لیتے ہیں کہ وہ دونوں انگریزی زبان کے نظام سے واقف ہیں۔ لیکن عدم واقفیت کی صورت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ تبادلۂ خیال نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جس حد تک زبان کے نظام کا علم پختہ ہوگا اسی حد تک سہولت اور معنویت کے ساتھ زبان کا استعمال ہو سکے گا۔

ایک شخص جب دوسرے کی گفتگو سنتا ہے تو یہاں صرف یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس زبان کے نظام سے واقف ہے بلکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ سُنی ہوئی آوازوں کے نظام کو مفہوم دے سکے۔ اس پیچیدہ عمل کے دوران سامع، ان آوازوں کی شناخت کرتا ہے جنھیں وہ سُنتا ہے۔ شناخت کے عمل میں صوتی اکائیوں سے واقفیت ضروری ہے۔ اسی بنیاد پر سامع مختلف صوتی اکائیوں میں ایک دوسرے سے امتیاز کرتا ہے لیکن اس کے لیے باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے۔

بعض مکتبِ خیال کے اساتذہ اور ماہرین اس دعوے کو کلیتاً تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے

www.urduchannel.in

خیال میں غیر مادری زبان سکھانے کے لیے زبان کے نظام سے واقفیت ضروری ہے لیکن مادری زبان سیکھنے میں زبان کے نظام سے واقفیت ضروری نہیں۔ ہم، آپ اگر اپنے بچپن پر ایک نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ ہم نے اپنی زبان، زبان کے نظام سے واقفیت کی بنیاد پر نہیں سیکھی۔ بچہ اپنی مادری زبان کیسے سیکھتا ہے اس کو شماریات اور لسانیات کے مختلف تحلیلی ضابطوں سے نہیں طے کیا جا سکتا۔ زبان ایک اکتسابی اور سماجی عمل ہے خاص طور سے مادری زبان، لہٰذا ہر شخص اسی طرح زبان سیکھتا ہے جس طرح کھانا، پینا اور دوڑنا سیکھتا ہے۔

زبان بنیادی طور پر ایک انسانی عمل ہے انسان اور سماج چونکہ لازم ملزوم ہیں اسی لیے زبان کے استعمال میں قائل اور سامع دونوں کی موجودگی لازمی ہے۔ زبان کی ابتدائی صورت اس بات چیت کی شکل میں نظر آتی ہے جو قائل اور سامع کے درمیان ہوتی ہے۔ دوسری شکل وہ ہے جو پڑھائی اور تحریر میں نظر آتی ہے۔ اوّل الذکر کو آخر الذکر پر اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کہ یہ زندہ اور متحرک ہوتی ہے اس کے مقابلے میں تحریری زبان جامد ہوتی ہے۔

زبان کی تشکیل میں اوّلیں اہمیت آوازوں کی ہے اس کے بعد ان آوازوں کی علامت یعنی حروف اور آخر میں جملے کی اہمیت مسلّم ہے بول چال میں عام طور پر جملے ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔ گویا بول چال کی اکائی 'جملہ' ہے۔

مولوی عبدالحق نے قواعد اردو میں جملے کی تین ٹکڑے کیے ہیں:

۱۔ سادہ آوازیں اور ان کی تحریری نقل یا علامتیں، جن کا نام حروف ہے۔ اس حصّے کا نام ہجّا ہے۔

۲۔ ایک سے زیادہ ملی جلی آوازیں جن کی تحریری علامتیں الفاظ کہلاتی ہیں۔ ان کی تقسیم اور ایک دوسرے کے ساتھ آنے سے ان میں جو تغیّر و تبدّل ہوتا ہے یا ان میں کچھ اضافے سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے یعنی الفاظ کی تقسیم، گردان اور اشتقاق سے بحث ہوتی ہے اس دوسرے حصّے کا نام صرف ہے۔

۳۔ بات چیت یا جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا جو باہمی تعلق ہوتا ہے اس کو نحو کہتے ہیں۔ زبان کی تشکیل میں بنیادی طور پر تین عناصر شامل ہوتے ہیں حروف الفاظ اور جملے۔ حروف سے متعلق علم کو علمِ ہجّا، الفاظ سے متعلق علم کو صرف اور جملوں

www.urduchannel.in

سے متعلق علم کو نحو کہتے ہیں۔ ذیل میں ان تینوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

ہجا: حروف کا اعراب سے ظاہر کرنا لیکن حروفِ ہجا کہیں گے تو وہاں الف، بے، تے، سے مراد ہوگی۔

صرف: ایک علم کا نام ہے جس میں کلمے کی تقسیم، تعلیل، اشتقاق اور اس کی اصل اور گردان کا حال معلوم ہوتا ہے۔

نحو: وہ علم ہے جس میں کلمات کا جوڑنا، کھولنا اور ان کا باہمی تعلق یعنی لگاؤ معلوم ہو۔" (فرہنگِ آصفیہ)

آدمی جب بولتا ہے تو اس کے منہ سے کوئی نہ کوئی آواز نکلتی ہے۔ یہ آوازیں بول کی شکل میں نکلتی ہیں۔ اسی بول کو ہم لفظ کہتے ہیں۔ بولتے وقت لفظ ہی بولا جاتا ہے یا جملے۔ لیکن بولے ہوئے لفظ دو قسم کے ہوتے ہیں ..... موضوع اور مہمل۔ موضوع الفاظ وہ ہیں جو با معنی ہوتے ہیں۔ جیسے میز، کرسی، چاقو، پنسل، قلم، وغیرہ ــــ مہمل الفاظ ان الفاظ کو کہتے ہیں جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے جیسے روٹی کے ساتھ ووٹی لگا دیں یا پانی کے ساتھ وانی لگا دیں۔ مہمل الفاظ بے معنی ہونے کے باوجود، موضوع الفاظ کے ساتھ جب استعمال ہوتے ہیں تو کلام میں حُسن پیدا کر دیتے ہیں۔

قواعد کے ماہرین نے موضوع الفاظ کی بھی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ترکیبی اور معنوی۔ اگر ہم ترکیبی لحاظ سے دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ الفاظ مُفرد ہوتے ہیں یا مرکّب۔ مثلاً روٹی اور سیب مفرد الفاظ ہیں، لیکن جب دو لفظوں کو ملا کر کوئی لفظ بنایا جاتا ہے تو اُسے مرکّب کہتے ہیں جیسے توشہ خانہ، کم گو، اَن پڑھ وغیرہ معنوی لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ الفاظ تین قسم کے ہوتے ہیں، حقیقی، مجازی اور اصطلاحی۔ ان تینوں کے استعمال سے ہی زبان و بیان میں خوبی پیدا ہوتی ہے۔ ادبی اظہار میں عام طور پر ان تینوں کا استعمال ہوتا ہے۔

قواعد کی اصطلاح میں علم نحو کے معنی ہیں جملے اور کلام کا علم۔ یعنی وہ علم جس کے تحت ان کلمات کو جو مفرد ہوتے ہیں مرکّب بنایا جاتا ہے اور کلمات کی ترکیب کو جدا کیا جاتا ہے۔ اس سے کلمے کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے اور ہر لفظ کا ایک دوسرے سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح نحو میں جملوں سے بحث کی جاتی ہے۔

نحو کے مطالعے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قائل (بولنے والا) صحیح جملے بول سکے اور صحیح جملے لکھ سکے

www.urduchannel.in

مرکب کلمات میں ایک سے زیادہ لفظ اس طرح ملائے جاتے ہیں کہ ان کے درمیان ایک طرح کا لگاؤ، نظم اور ترتیب ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ مرکب ناقص اور مرکب تام۔ مرکب ناقص اس مرکب کو کہتے ہیں جس کے سُننے سے پوری بات سمجھ میں نہ آئے۔ مرکب تام وہ مرکب ہے جس کے سننے سے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ جیسے موہن آیا، رحیم گیا وغیرہ۔

غرض زبان کی تشکیل میں محض اس بات کی اہمیت نہیں ہوتی کہ اس زبان کے ترکیبی عناصر کیا ہیں بلکہ معنوی اعتبار سے بھی اس کی اہمیت پر غور کیا جاتا ہے۔

لیکن ہر زندہ زبان ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔ ارتقا کے اس عمل میں زبان کو نئے تقاضوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور انھیں تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے زبان کے قواعد وضوابط میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے۔ مختلف زبانیں بھی ایک دوسرے کے راستے میں آتی رہتی ہے۔ ان میں برابر لین دین ہوتا رہتا ہے۔ اس کا اثر فوری طور پر تو نظر نہیں آتا لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ اثرات نمایاں طور پر نظر آنے لگتے ہیں اور ان اثرات کے تحت زبان کا ڈھانچا، زبان کی ساخت اور ذخیرہ الفاظ میں بھی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔

غرض زبان کی تشکیل میں مذکورہ بالا تمام عناصر کا دخل ہوتا ہے۔ زبان کے استاد کو زبان کے ان تشکیلی عناصر سے کما حقہ واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ زبان کی تدریس کو زیادہ تخلیقی بنا سکے۔

www.urduchannel.in

۲۔ زبان کی اہمیت

زبان کی سماجی و تہذیبی اہمیت:

زبان انسان کا امتیازی وصف ہے اور اس نعمت سے حیوانات محروم ہیں۔ انسان نے ایک طویل آزمایش سے گزر کر زبان سیکھی ہے۔ یہ کلیتاً اکتسابی اور سماجی ہے یعنی ہر کس و ناکس اپنے ماحول سے ہی زبان سیکھتا ہے اور سیکھ کر استعمال کرتا ہے۔ جانوروں میں کسی حد تک بعض آوازیں نکالنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، ان آوازوں کا مخصوص صورتوں میں ردِ عمل بھی ہوتا ہے لیکن ان میں کسی قسم کے نشو و نما کی گنجایش نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس انسان ذہنی اور جسمانی طور پر اس خصوصیت کا بھی حامل ہے کہ زبان کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے اور اس کو فکر و اظہار کا ذریعہ بنائے۔

زبان اگر ایک طرف آلۂ نطق ہے تو دوسری جانب وسیلۂ اظہار بھی ہے۔ اس کے بغیر انسان نہ تو سماج کی تشکیل کرتا ہے اور نہ سماج میں معنویت پیدا کر سکتا ہے۔ دراصل زبان ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے انسان اظہارِ ذات کرتا ہے اور کبھی کبھی اس کے ذریعے اخفائے حال کا بھی کام لیتا ہے۔ زبان ہی زندگی میں زہر گھولتی ہے۔ محبت کا جام پلاتی ہے اور دردمندی اور دست گیری کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔ غرض زبان اور سماج کا ایسا رشتہ ہے جس کے بغیر نہ تو زبان کی ترقی ممکن ہے اور نہ سماج کی کارکردگی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

ذریعۂ ابلاغ کی حیثیت سے زبان کی اہمیت مسلّم ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنی

www.urduchannel.in

ضروریات رفع کرتا ہے، سماج سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ اپنے دکھ درد میں دوسروں کو شریک کرتا ہے اور دوسروں کے غم بانٹتا ہے۔ گھر، بازار، میلے ٹھیلے، اسکول، کالج، فیکٹری، ہر جگہ زبان کی ہی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

زبان تہذیب کا بھی سرچشمہ ہے، اگر زبان کا وجود نہ ہوتا تو تہذیب کی نشوونما بھی ممکن نہیں ہوتی اور زبان کے بغیر بڑی حد تک تہذیب گونگی رہ جاتی۔ تہذیب کے جس پہلو پر نظر ڈالیں ہمیں زبان کی نئی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ لوک گیت، لوک کتھائیں اور شعر و ادب میں زبان ہی کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ آدابِ زندگی میں شائستگی اور شستگی زبان سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ غرض زبان نہ صرف تہذیب و تمدن کو جنم دیتی ہے بلکہ اس کے فروغ کی بھی ضامن ہوتی ہے۔ اس عمل میں ہر قدم پر زبان کا عوام سے رشتہ قائم رہتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس لمحے زبان کا عوام سے رشتہ ٹوٹا، زبان کے سوتے خشک ہو گئے اور تہذیب مرجھانے لگی۔

جن قوموں کو اپنی تہذیب سے محبت ہوتی ہے وہ اپنی زبان سے بھی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی تہذیب سے بے گانہ ہو جاتے ہیں وہ زبان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اس لیے زبان سے انسانوں کا بہت جذباتی تعلق ہوتا ہے اور اس کا اظہار جگہ جگہ لسانی گروہوں میں ہوتا رہتا ہے اور بعض دفعہ تو وہ اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ اس کی بنیاد پر حکومتیں بھی سرنگوں ہو جاتی ہیں۔

ذہن کے ارتقا میں زبان کی اہمیت:

ابلاغ کے علاوہ زبان کے ذریعے دو اور اہم کام انجام پاتے ہیں۔ ایک تو تفکر عمل میں آتا ہے اور دوسرے زندگی کے تجربات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ تاہم ہر فرد کے لیے اس کے وظائف ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ ایک ہی تہذیبی ماحول میں افراد کے لیے زبان منفرد نوعیت کی حامل ہوتی ہے۔ 'لفظ' ایک علامت ہے اس کے علاحدہ سے کوئی معنی نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کی اپنی کوئی آواز ہوتی ہے بلکہ ان آوازوں اور ان کے مفاہیم پر انسانوں کے درمیان ایک طرح کا سمجھوتا ہوتا ہے اور زبان استعمال کرتے

www.urduchannel.in

وقت قائل اور سامع کے درمیان اس سمجھوتے کی بنیاد پر فہم وادراک کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

زبان کے ذریعے چونکہ انسان فکر کرتا ہے اسی لیے اس سے وابستہ ایک اور تفاعل بھی ہوتا ہے۔ جس کے تحت انسان اپنی فکر کی ترسیل کرتا ہے اور اپنے خیالات کو معاصر اور آیندہ نسلوں تک پہنچاتا ہے گویا اپنے افکار وخیالات وتصوّرات کے ذریعے اپنی تہذیب سے آیندہ آنے والی نسلوں کو روشناس کراتا ہے۔

غرض زبان کے ذریعے انسان میں تفکر، تعقل اور وجدان کی قوتیں نشو ونما پاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ذہنِ انسانی کی نشو ونما بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح ذہن کے ارتقا میں زبان کا ایک اہم منصب ہے۔

www.urduchannel.in

۳۔ زبان کی تعلیم

زبان کی تعلیم کا مقصد:-

تعلیم کے قدیم دستور کے مطابق استاد کا فرض یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے سماجی ورثے سے طالب علموں کو روشناس کرائے اس کے لیے مدرسوں میں جن مضامین کی تعلیم دی جاتی تھی وہ بڑی حد تک جانے پہچانے ہوتے تھے یعنی طالب علموں کو وہ بنیادی علم فراہم کیا جاتا تھا جو اس زمانے کی سیدھی سادی زندگی کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا، اس علم کو حافظے میں محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ مشق و تربیت کا طریقہ رائج کیا جائے چنانچہ استاد بچوں سے سبق بار بار رٹواتے تھے اور اس طرح سبق یاد کراتے تھے۔ اپنے طریقۂ تدریس میں اساتذہ مطلق العنان اور سخت گیر بھی تھے اور بڑی حد تک کم تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔

لیکن صنعتی انقلاب کی آمد سے جہاں اقتصادی نہج پر تبدیلیاں عمل میں آئیں وہاں علم و حکمت میں بھی کافی تغیرات رونما ہوئے۔ ایک صدی کے اندر علم و فن کا ذخیرہ اس تیزی سے پھیلا کہ کسی فردِ واحد کے لیے تمام علوم کا حصول ناممکن سا ہو گیا۔ سائنسی علوم و سماجی علوم کے ساتھ ساتھ ملکی و غیر ملکی زبانیں، آرٹ، موسیقی اور صحت و صفائی جیسے مضامین بھی داخلِ نصاب ہو گئے۔ ان تمام باتوں کا اثر اسکول کے پروگرام پر بھی پڑا۔ تعلیم کے پرانے طریقوں کی جگہ جدید طریقے رائج ہو گئے نفسیات، عمرانیات، فلسفہ اور علم و فن کے شعبوں میں ہونے والی تحقیق کے نتیجے میں آموزش کے دستور میں زبردست انقلاب آیا۔ اور تخلیقی طریقوں کی کھوج بھی ہونے لگی۔ تخلیقی تعلیم کا عظیم منصب یہ ہے کہ اختراعی قوتوں کی نشوونما ہو۔ اسی تصور کے تحت آج تعلیم کے مقاصد اور تدریسی طور و طریق کو

www.urduchannel.in

بھی پرکھا جاتا ہے۔

زبان کی تعلیم کے سلسلے میں پہلے اساتذہ میں یہ تصوّر کارفرما تھا کہ زبان ایک جامد مضمون ہے اور اس میں کوئی تغیّر و تبدّل ممکن نہیں یہی نہیں بلکہ موادِ مضمون کو بھی جامد اور مقصود بالذّات تصوّر کیا جاتا تھا یعنی جو کچھ پڑھایا جائے اس کا استعمال جماعت کے کمرے ہی کی حدود میں ہو۔ ان کے نزدیک صحیح زبان ایک ہوتی تھی جو ہمیشہ اسی طرح قائم رہتی تھی اور اسی زبان کو جب سیکھ لیا جاتا تھا تو وہ ہر زمانے اور ہر مقام کے لیے مناسب تصوّر کی جاتی تھی۔ اساتذہ کی بس یہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس زبان کی حرمت اور روایت کو قائم رکھیں۔ آج کے معلّمین اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ زبان بدل رہتی ہے اور یہ بھی جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ زبان بدلتی کیسے ہے۔ بڑی حد تک لوگوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ کسی ایک صورتِ حال میں جس طرح زبان استعمال ہوتی ہے دوسری صورتِ حال میں نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ مختلف سیاق و سباق میں الفاظ اپنے مفہوم بدل دیتے ہیں اور مزید یہ کہ زبان کی نوعیت عملی ہے اور اس کا خاص مقصد ابلاغ ہوتا ہے۔ ان تمام ملفوظات کے پیشِ نظر آج زبان کو ایک زندہ اور متحرک شے تصوّر کیا جاتا ہے، جو مختلف تہذیبی ماحول میں اپنے مفاہیم بدلتی رہتی ہے۔

جدید مدرسے کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ بچّوں کو ان کی زندگی کے مسائل سے خاطر خواہ طور پر نپٹنے کے لیے تیار کیا جائے اور وسعت پذیر کلچر میں ان کی مناسب جگہ متعیّن کی جائے۔ تعلیم کس طرح اس فرض سے سبکدوش ہو سکتی ہے یہ مسئلہ صدیوں سے زیرِ بحث رہا ہے۔ حالیہ برسوں میں زبان کی تعلیم سے متعلق متعدد طرزِ نظر اپنائے گئے ہیں اور اس کے تحت خصوصی توجّہ اس بات پر دی گئی ہے کہ سماج کا تجزیہ اس ڈھنگ سے کیا جائے کہ مبلغ علم، عادتیں رویّے اور مہارتیں طالب علم کی ضرورت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور طالب علم ایک بچّے اور بالغ کی حیثیت سے سماج میں اپنا ایک مقام پیدا کر سکے۔ ان مقاصد کے تحت بچّے جو زبان سیکھیں وہ استعمال میں آ سکے۔ الفاظ ایسے ہوں جو تحریر میں استعمال ہو سکیں اور زبان کا استعمال اس طرح ہو کہ زیادہ سے زیادہ ابلاغ ممکن ہو سکے۔

زبان کی آموزش:۔

ہم زبان کیسے سیکھتے ہیں اس کا جواب آسان نہیں۔ اگر ہم اپنے بچپن پر ایک نظر ڈالیں تو

www.urduchannel.in

بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے بغیر کسی شعوری کاوش کے اپنے گھر، خاندان اور ماحول میں زبان سیکھی ہے اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغے پر مبنی تصور نہ کیا جائے کہ زبان کی بہترین آموزش مدرسے جانے سے قبل اور بغیر کسی رسمی تعلیم کے ہوتی ہے۔ ہم اپنے گھر میں بہت آسانی سے وہ زبان سیکھ جاتے ہیں جو ہمارے گھر میں بولی جاتی ہے۔ لیکن مدرسے میں چونکہ گھر کا ماحول نہیں پیدا کیا جا سکتا اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی تدریس کے رموز سے بخوبی واقفیت پیدا کی جائے تاکہ زبان کی آموزش کا عمل سہل اور موثر ہو سکے۔

دراصل بچہ اس وقت زبان سیکھنا شروع کرتا ہے جب وہ اپنے گھر میں بولتے ہوئے دیکھتا اور سنتا ہے۔ ماں بچے کی مبہم آوازوں کے جواب میں مسکراتی ہے، چمکارتی اور پیار کرتی ہے۔ اس طرح ترسیل کا عمل طفولیت سے شروع ہو جاتا ہے۔ بچہ فطری طور پر ان آوازوں کی نقل کرتا ہے جنھیں وہ اپنے گرد و پیش میں سنتا ہے۔ اس طرح وہ بامعنی آوازیں ادا کرنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ زبان کا استعمال شروع کر دیتا ہے۔

زبان کی آموزش کا ایک دوسرا بھی اہم پہلو ہے۔ وہ یہ کہ بچہ اپنے گھر میں بولتے وقت نہ تو جھجک محسوس کرتا ہے اور نہ خوف۔ وہ بلا کسی پس و پیش کے اپنی خواہشات کا اظہار کرتا ہے۔ اس کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ گھر میں لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی ضرورت کو سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اپنے گھر میں بے ساختہ اپنی ضروریات کا اظہار کرتا ہے اور اپنی خواہشات کی تشفی کرتا ہے۔

اس قسم کے اسباب کی بنا پر بچہ سہولت کے ساتھ زبان سیکھتا ہے لیکن جب وہ مدرسے میں قدم رکھتا ہے تو اپنے استاد کو نہ تو والدین کی طرح شفیق پاتا ہے اور نہ اپنی خواہشات کا اظہار کر پاتا ہے۔ اس کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ استاد اس کی حالت میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے اسی لیے زبان سیکھنے کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ اگر بچے کو زبان سیکھنے کا مناسب ماحول فراہم کیا جائے تو یقیناً وہ بہتر طور پر زبان سیکھے گا اور جب وہ خود سیکھنے پر آمادہ ہوگا تو اس کے لیے شعوری کوشش بھی کرے گا۔

بچہ جوں جوں بڑا ہو جاتا ہے اس کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں اور زبان سیکھنے کے محرکات میں تنوع پیدا ہوتا جاتا ہے۔ وہ بات چیت کے ذریعے کتابوں کے سہارے اور سمعی و بصری وسائل کی مدد سے اپنے گرد و پیش کی دنیا میں زیادہ دلچسپی لینے لگتا ہے اور فطری طور پر اس

www.urduchannel.in

میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس دنیا کے بارے میں جس وہ رہتا ہے زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرے۔ زبان ہی کے توسط سے وہ مختلف مقامات کے لوگوں سے واقفیت پیدا کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی معلومات میں برابر اضافہ کرتا رہتا ہے۔

بچہ جب مدرسے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے پاس زبان کا تھوڑا بہت ذخیرہ موجود ہوتا ہے لیکن اس کا لسانی تجربہ بڑی حد تک محدود ہوتا ہے۔ تاہم اس کو اس بات کا غیر شعوری طور پر تجربہ ہوتا ہے کہ لوگ کس طرح آوازوں کی مدد سے لفظ بناتے ہیں۔ اور جب یہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اس طرح طالب علم مفہوم سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ لسانی دنیا سے بچے کی مطابقت بتدریج پیدا ہوتی ہے لیکن ہر بچے میں اس کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ تاہم وہ یہ ضرور سیکھ لیتا ہے کہ الفاظ کو ادا کر سکے اور ان سے کوئی نہ کوئی مفہوم وابستہ کر سکے

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر بچہ اپنے ماحول کا جائزہ لیتا ہے اور اس کے مطابق اپنے افعال کو ڈھالتا ہے۔ وہ اپنے ماحول میں کچھ نہ کچھ دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح آموزش کا عمل جاری رہتا ہے۔ دراصل آموزش کا عام طریقہ کھوج اور دریافت کا ہی ہے لیکن شروع شروع میں بچے کی آموزش اپنے ماحول تک محدود رہتی ہے۔ اور جوں جوں وہ عمر کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کی آموزش میں بھی وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی زبان کی بھی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔

زبان کی نشوونما ایک مسلسل عمل ہے جو پوری زندگی کو محیط ہے۔ بچہ جب مدرسے میں داخل ہوتا ہے تو یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب وہ گھر سے غیر رسمی طور پر کچھ بولنا سیکھ چکا ہوتا ہے اور اب اس کو رسمی طور پر بولنا، سننا، پڑھنا اور لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس لیے مدرسے میں شروع ہی سے تدریسی مشاغل میں وہ تمام مشاغل شامل کرنے چاہییں جن سے وہ اپنے گھریلو ماحول میں دوچار ہو چکا ہے۔ ابتدائی منزل پر تدریس زبان کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں میں بولنے کی بنیادی مہارتیں پیدا کی جائیں اور ان مہارتوں کی توسیع کی جائے جنھیں وہ گھر پر سیکھ چکے ہیں۔

بچوں میں زبان کی نشوونما کا جو مطالعہ کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچہ جب اسکول میں قدم رکھتا ہے تو اس کے پاس اچھا خاصا الفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ اس میں بچے کے ماحول کے مطابق کمی و بیشی بھی ہو سکتی ہے لیکن اوسطاً اس منزل پر بچے کا ذخیرۂ الفاظ تقریباً ڈھائی

www.urduchannel.in

ہزار ہوتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ الفاظ وہ سمجھ لیتا ہے اور اس کی لسانی عادتیں بھی کسی قدر پختہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بولتا ہے اور یہ سمجھ کر بولتا ہے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کو سمجھ بھی رہا ہے۔ اس کو اس سے غرض نہیں کہ وہ صحیح بول رہا ہے یا غلط، اچھا بول رہا ہے یا خراب۔ دراصل اس کے لیے زبان کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن مدرسے میں قدم رکھتے ہی صورتِ حال بدل جاتی ہے۔ نیا سماجی ماحول اس کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں سے بات چیت کرنے میں اس کو تکلف ہوتا ہے اور کسی حد تک وہ اپنی گھریلو زبان کو استعمال کرنے میں شرم اور جھجک بھی محسوس کرتا ہے اور اچانک وہ یہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کی بات اس کے ہم جماعت سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ میز پر چھڑی پٹک کر استاد اکثر و بیشتر بچوں کو خاموش رہنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا کچھ دیر کے لیے وہ بولنا موقوف کر دیتا ہے۔ پھر وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے ہم جماعت اس کی بات سننے پر آمادہ ہیں اور بولنے لگتا ہے اور اس دوران وہ نئے الفاظ بھی سیکھ لیتا ہے۔ اس طرح اس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک عبوری دور ہوتا ہے جس میں گھر کے ماحول سے نکل کر وہ مدرسے کے ماحول میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کو باقاعدہ رسمی طور پر زبان سکھانے کے لیے آمادگی کا پروگرام مرتب کیا جائے۔

زبان سیکھنے کے لیے آمادگی:

زبان سیکھنے کے لیے آمادگی کا پروگرام بنانے میں بہت سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا آمادگی کا جو پروگرام مرتب کیا جائے اس میں بچے کی پختگی کی رفتار اور نشوونما کی انفرادی حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے، ہر بچے کی سیکھنے کی رفتار مختلف ہوتی ہے اور ہر بچے کا گھریلو تجربہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ ایک اچھا استاد ان عوامل کو ذہن نشیں کرتا ہے اور زبان سیکھنے کے کام کو اس کے تجربات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ بچہ زبان سیکھنے کے لیے آمادہ ہو سکے۔ بچوں میں تحریکِ ذہنی پیدا کرانا ضروری ہے اور تحریکِ ذہنی دلچسپی پیدا کرانے میں ایک لازمی عنصر ہے۔

بچے میں فطری طور پر اظہار کی خواہش ہوتی ہے لیکن اکثر وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے تقریری اظہار پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس لیے بنیادی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اس میں خود اعتمادی پیدا کی جائے۔ تقریری اظہار میں خود اعتمادی پیدا کرانے کے لیے ضروری ہے کہ بچے کو زیادہ سے زیادہ بولنے کا موقع دیا جائے اس کو دوسروں کی بات سننے میں بہت کم دلچسپی ہوتی ہے۔ اپنی

www.urduchannel.in

بات کہنے میں زیادہ۔ اس لیے ابتدائی منزل پر اس کو زیادہ سے زیادہ اس بات کا موقع دینا چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بول سکے، اپنی بات کہہ سکے اور بول کر اظہارِ ذات کر سکے۔

زبان سیکھنے میں درجِ ذیل عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔
(۱) بچے کی پختگی۔ (۲) آموزش کی رفتار

۳۔ دائرۂ علم
۴۔ مجموعی عمل باہمیدگی

ان عوامل کے وسیلے سے بچہ اپنی زندگی سے مطابقت پیدا کرتا ہے، اپنے تجربات میں معنویت پیدا کرتا ہے اور زبان اور تجربے کے درمیان ایک گہرا رشتہ پیدا کرتا ہے لہٰذا زبان کے استاد کو ان عوامل کا بخوبی علم ہونا ضروری ہے۔

زبان کی نشوونما پر اثرانداز ہونے والے عوامل:

زبان کی نشوونما بچوں میں یکساں طور پر نہیں ہوتی۔ بعض بچے کم وقت میں بہتر طور پر زبان کی مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور بعض میں لسانی نشوونما کا عمل سُست اور پس ماندہ رہ جاتا ہے۔ لہٰذا پرائمری سطح کے اساتذہ کو زبان کی تعلیم کے سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ زبان کی نشوونما پر کون سے عوامل اثرانداز ہوتے ہیں۔

زبان کی نشوونما پر اثرانداز ہونے والے عوامل درج ذیل ہیں:

۱۔ جبلّی صلاحیتیں:

اس بات سے تمام ماہرینِ نفسیات متفق ہیں کہ افراد میں انفرادی فرق ہوتا ہے اور یہ فرق زندگی کے بیشتر معاملات پر اثرانداز بھی ہوتا ہے۔ خاص طور پر بچوں کے سیکھنے کی رفتار پر اُس کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔

زبان کی نشوونما کے سلسلے میں بھی انفرادی فرق کی اہمیت مسلّم ہے دیکھا گیا ہے کہ وہ بچے جو چُست ہوتے ہیں اور ہشاش بشاش رہتے ہیں عموماً زیادہ بولتے ہیں اور جو بچے سُست اور رنجیدہ رہتے ہیں عموماً کم بولتے ہیں۔ اس انفرادی فرق کی وجہ سے بعض بچوں میں اس بات

www.urduchannel.in

کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز پر دیر تک توجہ مرکوز کر سکیں اور کسی چیز کے بارے میں بہتر طور پر خیال آرائی کر سکیں۔

۲۔ جسمانی صحت:

جسمانی صحت کا آدمی کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ مشہور قول ہے کہ تندرست جسم میں ہی تندرست دماغ پرورش پاتا ہے۔ چنانچہ زبان کی نشوونما پر بھی اس کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ ایک صحت مند بچہ بیمار بچے کے مقابلے میں جلد لسانی مہارت حاصل کر لیتا ہے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ خرابیٔ صحت کی وجہ سے بچوں میں خود اعتمادی اور زندگی کے مشاغل میں ان کی دلچسپی کم ہو جاتی ہے اس کے برعکس صحت مند بچہ ہر بات سے سروکار رکھتا ہے۔ زندگی میں اُس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے اور سماجی ماحول بھی اُس کے لیے دلچسپی کا باعث بن جاتا ہے۔ لہٰذا زبان کی نشوونما کی رفتار بھی تیز ہو جاتی ہے، صحت مند بچہ مضمحل بچے کے مقابلے میں جلدی اور بہتر طور پر لسانی مہارتوں پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔

۳۔ حرکی نشوونما:

ماہرینِ نفسیات نے اس بات کی طرف واضح اشارے کیے ہیں کہ حرکی نشوونما اور لسانی اظہار میں گہرا تعلق ہے اگر بچوں کے لیے حرکی نشوونما کے مواقع فراہم کیے جائیں تو لسانی نشوونما کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ابتدائی دور کے اساتذہ کو خصوصی طور پر مدرسے میں ایسے مشاغل کا اہتمام کرنا چاہیے جن سے حرکی نشوونما ہو سکے تاکہ بچوں میں لسانی نشوونما کی ضمانت کی جا سکے۔

۴۔ جنس کا فرق:

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بچیاں بچوں سے پہلے بولنا شروع کر دیتی ہیں۔ پڑھائی کا آغاز کرنے میں بھی بچیاں پہل کرتی ہیں یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بچیوں کے جوابی عمل بچوں کے مقابلے میں زیادہ طویل ہوتے ہیں۔ بچیوں کے جواب تفصیلی ہوتے ہیں اور بچوں کے مختصر۔ یہ بھی مشاہدے میں آچکا ہے کہ بچیاں، بچوں کے مقابلے میں تیزی سے سیکھتی ہیں اور ترقی کرتی ہیں۔ تقریر

www.urduchannel.in

نقائص بھی بچوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ خاص طور سے ہکلانے کا نقص بچیوں میں بچوں کے مقابلے کم پایا جاتا ہے۔ بحیثیت مجموعی بچیاں بچوں کے مقابلے میں جلد زبان کی پختگی حاصل کر لیتی ہیں۔

۵۔ تہذیب اور ماحول کا فرق:

بچوں کی لسانی نشو و نما پر تہذیب اور ماحول کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بچے عام طور پر زبان، نقالی کے ذریعے سیکھتے ہیں یعنی گھر میں جس طرح بڑے بولتے ہیں اُسی طرح بچہ بھی بولنا سیکھتا ہے۔ مدرسہ اور سماج بھی گفتگو سکھانے میں اثر انداز ہوتا ہے۔ گھر تو بچے کے لیے اوّلیں درسگاہ ہے اس لیے ماحول اور گھر کی تہذیب کا بچے کی لسانی نشو و نما پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر گھر کی اقتصادی اور سماجی حالت پچھڑی ہوئی ہے تو اس گھر کی تمدنی حالت بھی پس ماندہ ہوگی اور ان تمام باتوں کا بچوں کی لسانی نشو و نما پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔

زد لسانی اثرات بھی بچوں کی لسانی نشو و نما پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے کہ بچے گھر سے باہر قدم رکھتے ہی اپنے سماجی ماحول سے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور مقامی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح بالغوں اور بچوں کی زبان میں فرق ہوتا جاتا ہے۔ گھر میں عام طور پر ماں باپ اپنی پہلی زبان بولتے ہیں اور بچہ مقامی زبان بولتا ہے لیکن اس کو والدین کی زبان بھی سیکھنی پڑتی ہے۔ اس طرح بچے کے لیے زد لسانی ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور زبان سیکھنے میں اُس کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

www.urduchannel.in

۴۔ زبان بحیثیت علامت

چھپے ہوئے الفاظ، وقوف اور آموزش کے درمیان ایک گہرا رشتہ ہے۔ آج کل اس رشتے کو سمجھنے کی بہت کوششیں ہو رہی ہیں اور اس بات کا سُراغ لگایا جا رہا ہے کہ ان کے مابین کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ جہاں تک مدرسے میں ترسیل و ابلاغ کا مسئلہ ہے یہ بات سب پر واضح ہے کہ مدرسے میں ترسیلِ خیالات کا واحد ذریعہ زبان ہے اور خصوصیات کے ساتھ تحریری زبان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مطالعے کے ذریعے انسان کی تکمیل ہوتی ہے۔ بات چیت کے ذریعے انسان حاضر جواب بنتا ہے اور تحریر کے ذریعے اس میں قطعیت پیدا ہوتی ہے اور ان تینوں مراحل پر زبان ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔

ابتدائی مدرسے کی سطح پر شروع کے درجات میں زبانی کام پر زور دیا جاتا ہے اور زبانی اظہار کی مشق کرائی جاتی ہے۔ لیکن بتدریج اگلے درجات میں تحریری اظہار پر زور بڑھتا جاتا ہے اور تقریری اظہار کے مواقع کم ہوتے جاتے ہیں۔ اظہار، تقریری ہو یا تحریری، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح چھپا ہوا مواد حواس کے وسیلے سے ذہن میں منتقل ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات منتقلی کے اس میکانکی عمل کی وضاحت اور صراحت میں مصروف ہیں اس سلسلے میں مختلف نظریات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ ایک تحقیقی مطالعے کی رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی تجربے یا کسی اطلاع یا خبر کا علامتی اظہار اگر ایک جانب انسان کی بنیادی ضرورت ہے تو دوسری طرف ایک انسانی مشغلہ بھی ہے۔ اور یہ بنیادی وصف محض انسان کو حاصل ہے کسی دوسرے ذی روح کو نہیں۔

علامتی اظہار کے ذہن میں منتقل ہونے کے پیچیدہ عمل کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو

www.urduchannel.in

اندازہ ہوتا ہے کہ علامتی نظام، ترسیل کا ایک ایسا ضابطہ ہے جس کے تحت اطلاعات و معلومات اکٹھا کی جاتی ہے پھر ترتیب و تشکیل کے عمل سے گزرتی ہیں۔

زبان چونکہ ابلاغ کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس لیے اس بات پر غور کرنا بہت ضروری ہے کہ مدرسے میں زبان کے وسیلے سے بچوں کو کیسے معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ یوں تو ابلاغ اور ترسیل کے اور بھی ذرائع ہیں لیکن فی الحال چونکہ زبان، بحیثیت اظہار و ابلاغ موضوعِ بحث ہے اس لیے اسی موضوع سے خصوصیت کے ساتھ بحث کی جائے گی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان زبان ہی کے وسیلے سے تفکر کرتا ہے، سوچتا ہے اور خیال آرائی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ انسان بصارت، موسیقی اور شعریات کے وسیلے سے سوچتا تو شاید مدرسہ کے پروگرام میں ان کی حیثیت بھی کلیدی ہوتی لیکن صورتِ حال مختلف ہے اور پورے نظامِ درس اور نظامِ مدرسہ میں زبان ہی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اس لیے زبان کے علامتی اظہار پر پوری سنجیدگی سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

انسان، ادراک کی نعمت سے محروم رہ جاتا ہے اگر اس میں علامات کی ترجمانی کی صلاحیت نہ ہوتی۔ زبان کے علامتی نظام میں جو عناصر خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتے ہیں وہ ہیں ترکیب نحوی اور معنیات، اس میں کبھی کبھی تصویر آفرینی کی شمولیت سے مفہوم میں اور بھی گہرائی پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح زبان کے علامتی اظہار کے ذریعے عملاً حواس کی ترجمانی ہوتی رہتی ہے۔ اگر اس ترجمانی کا عمل ناقص رہ جائے تو ادراک بھی نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامتی اظہار ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے خیال، کسی شے سے اس شے کے تصور تک پہنچتا ہے۔ مختصر یہ کہ زبان کا علامتی اظہار اپنے مفہوم کے توسط سے کسی شے کا مجرد تصور پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا مدرسے کے تعلیمی پروگرام میں اس پہلو پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے کی ضرورت ہے۔ پیاجے نے جو ایک مشہور ماہر نفسیات ہے خصوصیت کے ساتھ اس بات کا مطالعہ کیا ہے کہ بچوں میں کسی شے کا تصور کیسے پروان چڑھتا ہے، برونر اور اوسلون نے مشاہداتی تجربے کے نظریے کے بعض پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اشیا اور واقعات کے بارے میں اخذِ معلومات کا طریقہ انفعالی نہیں ہوتا بلکہ فعّال ہوتا ہے اور مزید یہ کہ علم ہمیشہ کسی نہ کسی حرکی عمل کے توسط سے اخذ کیا جاتا ہے۔

بصری ادراک پر جو تحقیقات عمل میں آئی ہیں ان میں بھی کچھ نئی باتوں کی دریافت ہوئی ہے اور اس طریقۂ تحقیق کی رو سے بصری ادراک کو ایک ایسا عمل بتایا گیا ہے جس کے

www.urduchannel.in

تحت بچے کا سابقہ مختلف مقرون اشیا سے ہوتا ہے یا ان اشیا کی تصویریں انھیں دکھائی جاتی ہیں یہاں تک کہ جب اس کے سامنے نئے نمونے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ ان کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ نہیں دیتا۔ بچہ بصری ترجیح کے عمل سے بھی گزرتا ہے۔ اس کے تحت بچے کو دو اشیا یا ان کی تصویریں بہ یک وقت دکھائی جاتی ہیں اور وقت کی اس اعتبار سے پیمائش کی جاتی ہے کہ بچہ کتنی دیر تک ان اشیا میں سے ہر ایک پر اپنی بصری توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ اس دریافت کی روشنی میں محقق اس بات کا بھی مطالعہ کرتا ہے کہ ہر مرحلے پر بچہ صحیح معنوں میں کتنا وقوف حاصل کرتا ہے محققین نے اس بات کا بھی پتا چلایا ہے کہ جسمانی اعتبار سے ناپختہ ہونے کے باوجود وہ خارجی مہیج کو انفعالی، ڈھنگ سے نہیں قبول کرتا بلکہ فعال طریقے سے وہ خارجی مہیج پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کرنا سیکھنے لگتا ہے۔ گارڈنر ایچ نے اپنی تحقیقات کے ذریعے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ بچے جب کسی شے کو دیکھتے ہیں تو اسی وقت یہ بات بھی ان کے بصری ادراک کی گرفت میں آجاتی ہے کہ اس شے میں کون کون سے قابلِ توجہ مہیجات ہیں۔ ان قابلِ توجہ مہیجات کا وہ بصری مشاہدہ کرتا ہے اور ایک سے دوسرے کی تمیز بھی کرنے لگتا ہے۔ یہی تشکیلِ تصور کی پہلی منزل ہے۔ ایک اعتبار سے اس نظریے کی رو سے پیاجے کے نظریات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ بچوں میں فنی اور حرکی سانچے موجود رہتے ہیں اور جوں جوں خارجی مہیجات سے ان کا سابقہ پڑتا جاتا ہے ان کی شخصیت کی تکمیل ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حسی و حرکی سانچے علامتی طریقِ عمل کا روپ دھار لیتے ہیں جنھیں ہم زبان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

زبان کی ایک اور بھی خصوصیت ہے وہ یہ کہ معنی کے اعتبار سے زبان کا زیادہ موثر اظہار تحریری شکل میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تحریر میں اظہار بہت واضح ہوتا ہے۔ اوسلون کے مطابق زبان کا مواد معنی ہے اور معنی بڑی حد تک ذہنی خاکے پر منحصر ہوتا ہے۔ جیکہ پیاجے نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے مطابق مبلغ علم، عملی مشاغل کے توسط سے ذہنی مشاغل کی شکل میں منتقل ہوتا ہے۔ دراصل اوسلون طریق وقوف اور وقوف میں امتیاز کرتا ہے۔ اوّل الذکر کا تعلق مہارت کے رموز سے اور آخر الذکر کا تعلق تجربے سے ہے۔ غرض علامتی شکلیں چاہے تقریری زبان کی ہوں یا تحریری زبان کی، ماحول میں ایک نئے قسم کا تفاعل پیدا کرتی ہیں اور اس تفاعل کے دوران نئے قسم کی زبان وجود میں آتی ہے۔

www.urduchannel.in

بچہ اکوڈ کے ذریعے زبان تک رسائی حاصل کرتا ہے، اپنے نمو پذیر حواس کے ذریعے مسئلوں کا ادراک کرتا ہے اور ان کی علامتی ترجمانی کر کے زبان سیکھتا ہے۔ جوں جوں اس کی سماجی نشو ونما ہوتی جاتی ہے اس میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ علامتی ترجمانی کے لیے زیادہ سے زیادہ ترکیبی ساخت اور معنیات پر قدرت حاصل کرلے اور مناسب الفاظ کا انتخاب کر کے اظہارِ مطلب کرے۔ چنانچہ جو کچھ بھی وہ اظہار کرتا ہے۔ وہ ترکیبی ساخت اور سماجی نشو ونما کا ماحصل ہوتا ہے اور جوں جوں اس میں علامتی اظہار کی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے وہ زیادہ وضاحت اور صراحت کے ساتھ علامتی اظہار کرنے پر قادر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ بچہ اپنے تجربات کو تمثال کا روپ دے دیتا ہے اور نئے واقعات کے انبار سے اپنے تجربات کا خزانہ بھرتا ہے۔ اس طرح تمثالوں کے ذخیرے سے وہ اپنی فکر کی نشو ونما کرتا ہے وہ دراصل اپنے تجربات کو منظم کرتا ہے اور نئے واقعات کی ترجمانی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی تاریخی واقعے سے متعلق جب وہ بحث ومباحثہ کرتا ہے تو مباحثے کے نکات ضبطِ تحریر میں لاتا ہے۔ یا جب وہ کسی تاریخی واقعے کو پڑھتا ہے یا کسی ڈرامے میں کسی فاتح کا رول ادا کرتا ہے تو ان سب موقعوں پر وہ علامتی اظہار کے ذریعے ترجمانی کرتا ہے۔

اس قسم کے مشاغل کا اہتمام کرنے کے لیے مناسب موضوعات کا انتخاب ضروری ہے تاکہ طبائع وسیلوں سے ایسی نظر پیدا کی جاسکے جو مجرد تصورات کی آموزش میں معاون ہوں۔

www.urduchannel.in

۵۔ اردو زبان کا تعارف

زبان، زبان سے پیدا ہوتی ہے" یہ مقولہ دنیا کی عام زبانوں پر صادق آتا ہے۔ اُردو ہندستان کی ایک قدیم پراکرت شورسینی سے پیدا ہوئی۔ یہ ایک جدید ہندآریائی زبان ہے جو دہلی اور دہلی کے نواح میں پیدا ہوئی۔ یہیں پھولی پھلی۔ اور بارآور ہوئی اور ہندستان کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ گھر، مدرسہ، بازار، میلے ٹھیلے سے لے کر شعروادب کی محفلوں تک اس کی جادوبیانی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کسی نہ کسی حیثیت سے اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اس کا ایک گراں قدر ادبی سرمایہ ہے۔ دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد بھوپال، بمبئی اور پٹنہ اس کے خاص مراکز ہیں۔

اردو ایک مخلوط زبان ہے۔ جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہوگئے ہیں۔ عربی فارسی، پرتگالی، عبرانی، انگریزی، تلگو، تامل، پنجابی، گجراتی، ملتانی اور برج کے الفاظ اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے ہندستان کی سرزمین کے کسی علاقے کے لیے بھی یہ زبان اجنبی نہیں محسوس کی جاتی۔

اردو ایک پیاری زبان ہے اور اسی ملک کی زبان ہے۔ اردو زبان وادب کی نشوونما میں بلاکسی امتیازِ مذہب وملت تمام قوموں کا اشتراک حاصل رہا ہے۔ مختلف قوموں اور نسلوں کے باہمی اختلاط سے اس میں رنگارنگی اور وسعت پیدا ہوگئی ہے اور یہ زبان صحیح معنوں میں ہندستان کی مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے۔ خاص طور سے اردو شاعری، اپنے آغاز سے ہی ایک مشترکہ تہذیب کی امین رہی ہے۔

اردو تہذیب ایک گنگا جمنی تہذیب ہے۔ یہ ہندو اور مسلم تہذیبوں کا سنگم ہے۔ ایرانی

www.urduchannel.in

تصوّف اور بھگتی تحریک نے اس پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور مذہب وملّت کی تفریق کو مٹانے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ اردو شاعری نے خصوصیت کے ساتھ دونوں مذاہب کی روح کو سمویا ہے اور ایک سنگم کا کام انجام دیا ہے۔

اردو شاعری کے ارتقائی مراحل پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ تصوّف اور بھگتی تحریک نے اردو شاعری کو کس طرح متاثر کیا تیرہویں صدی میں دہلی میں ایک مرکزی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اسی دور میں تصوّف اور بھگتی کی تحریکیں پروان چڑھیں۔ اکبر اعظم کا دور صحیح معنوں میں ہندو مسلم تہذیبوں کے ملاپ کا دور تھا۔ اس کے عہد میں متحدہ قومیت اور مشترکہ تہذیب کے پھولنے پھلنے کا پورا موقع ملا۔ تصوّف اور بھگتی کے اس میل ملاپ سے اردو شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ اس میں ایک طرف اگر ترکی، فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی تو دوسری طرف تلسی داس اور ملک محمد جائسی نے اودھی زبان میں لافانی ادب تخلیق کیا۔

بہمنی عہد میں ہندستانی تہذیب نے دکن میں بھی فروغ حاصل کیا اور دکنی اردو کی بنیاد پڑنے لگی۔ عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں شعر و ادب کے ذریعے مشترکہ تہذیب کو بہت فروغ ہوا۔ ہندو مسلم تہذیبی اشتراک سے دکنی اردو عوام میں مقبول ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ قلی قطب شاہ کے عہد میں اس زبان نے ادبی درجہ حاصل کر لیا۔ قلی قطب شاہ، اکبر اعظم کا ہم عصر تھا۔ عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں دکنی زبان و ادب کا کافی عروج ہوا۔ قلی قطب شاہ کے دیوان میں ہندستانی موسموں، تہواروں، رسم و رواج اور ہندو دیومالا کے حوالے ملتے ہیں۔ ان حوالوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح دکن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیبی اشتراک سے ایک نیا معاشرہ وجود میں آرہا تھا۔

شمالی ہند کے اوّلین شعرا میں بھی اس تہذیبی اشتراک کے نقوش بہت واضح طور پر ابھرتے نظر آتے ہیں۔ غزل ہو یا نظم، مثنوی ہو یا قصیدہ، یہاں تک کہ مرثیوں میں بھی مشترکہ ہندستانی تہذیب سمائی ہوئی ہے۔ مثنویوں اور قصیدوں میں خصوصیت کے ساتھ ہندستانیت کے عناصر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جیسا پہلے عرض کیا جا چکا ہے اردو کسی محدود اور مخصوص خطّے کی زبان نہیں بلکہ پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہندستان کے دستور میں پندرہ قومی زبانوں میں اردو بھی شامل ہے۔ زبان کے استعمال، طباعت اور اشاعت کے اعتبار سے اس کا شمار ہندستان کی اہم زبانوں میں

www.urduchannel.in

ہوتا ہے۔

اردو، قومی زبان کی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ہندستانی آبادی کے ایک بڑے حصے کی مادری زبان بھی ہے۔ مادری زبان بچے کی پہلی زبان ہوتی ہے جسے وہ اپنی ماں کی گود میں سیکھتا ہے۔ اسی زبان کے ذریعے وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے شناسائی حاصل کرتا ہے اور خارجی دنیا سے رابطہ پیدا کرتا ہے۔

دنیا کے تمام ماہرین اس بات سے متفق ہیں کہ بچے کی تعلیم، خصوصیت کے ساتھ ابتدائی تعلیم مادری زبان کے ذریعے ہونی چاہیے۔ مادری زبان کے ذریعے حاصل کی ہوئی تعلیم نہ صرف مستحکم ہوتی ہے بلکہ موثر بھی ہوتی ہے۔ تعلیم کو سماجی تبدیلی کا ایک موثر آلہ تصور کیا جاتا ہے اور اس کو شخصیت سازی کا ایک ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے اس لیے صحیح معنوں میں تعلیم کے امکانات اس وقت روشن ہوں گے جب مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے گا۔

www.urduchannel.in

۶۔ اردو کی ابتدا سے متعلق مختلف نظریات

اردو زبان کہاں پیدا ہوئی اور اس کا ارتقا کیسے ہوا اس کا قطعی فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا لیکن اس کے بارے میں عام تصور یہ ضرور کارفرما ہے کہ اردو ایک کھچڑی زبان ہے جو مختلف زبانوں کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔ خاص طور سے عربی، فارسی، ترکی اور ہندی نے اردو زبان کی نشوونما اور اس کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا ہے۔

اس عام تصور سے ہٹ کر بعض محققین نے اردو کی ابتدا، اس کی نشوونما اور ترقی سے متعلق علاحدہ علاحدہ اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ بعض نے محض تاریخی واقعات کو اپنے نظریہ کی تائید کے لیے پیش کیا اور بعض نے لسانی اور سائنسی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔

اردو زبان کے شجرۂ نسب کا اگر لسانی تاریخ کے پس منظر میں مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے خاندان ہند آریائی زبان سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی پیدائش ہندستان میں ہوئی جہاں تاریخ کے مختلف موڑ پر مختلف قوموں کا میل ملاپ ہوتا رہا ہے اور اس کے سماجی اور سیاسی تقاضوں کے تحت ان کی زبان میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے گئے اس ملاپ سے ایک نئی زبان وجود میں آئی ہے جو اردو کے نام سے مشہور ہوئی۔

اُردو کے لفظی معنی ہیں لشکر اور بازار کے۔ اور یہ ترکی زبان سے ماخوذ ہے۔ مسلمان حکمراں جب شمالی ہندستان میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ کثیر لشکر بھی تھا۔ ظاہر ہے لشکر میں کوئی نہ کوئی زبان بولی جاتی تھی اور لشکر کا سابقہ عوام سے بھی پڑتا تھا۔ عوام سے لسانی رابطہ قائم

www.urduchannel.in

کرنے کے لیے ایک مشترک زبان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس ضرورت کے تحت لشکر والوں نے اپنی زبان کے ساتھ ساتھ مقامی زبان کے الفاظ گفتگو میں استعمال کرنے شروع کر دیے اور ایک دوسرے کے درمیان افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس طرح ایک مخلوط زبان کی داغ بیل پڑنے لگی اور رفتہ رفتہ نشو و نما کے مدارج طے کرتی ہوئی یہ ایک علاحدہ زبان کی شکل اختیار کر گئی۔

اردو کا تعلق چونکہ جدید ہند آریائی زبانوں سے ہے اس لیے اس سے متعلق کسی معقول نظریے کی تشکیل کے لیے ہند آریائی زبانوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

ہندستان میں عربوں کی آمد اور سنسکرت زبان کا عروج و زوال ایک طویل داستان ہے جس کو لسانی ارتقا کے لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ قدیم ہند آریائی جس کو ویدی یا سنسکرت دور کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ پراکرت دور

۳۔ بھاشا کا دور

دوسرے اور تیسرے دور کے درمیانی دور کو اَپ بھرنش کا عہد کہا جاتا ہے۔ سنسکرت میں چونکہ ادبیت غالب تھی اس لیے یہ زبان عوام سے کٹ گئی اور اس کا زوال شروع ہو گیا۔ اس دوران عوامی زبانیں پروان چڑھتی رہیں۔ مہاتما بدھ اور مہاویر سوامی نے انھیں عوامی زبانوں یعنی بولیوں میں تبلیغ کی۔ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہ بولیاں مختلف علاقوں میں رائج تھیں لیکن رفتہ رفتہ یہ بولیاں بھی ارتقا کی منزل طے کرتی ہوئی ادبی شکل اختیار کر گئیں۔ یہی بولیاں پراکرت کہلائیں۔ پالی دراصل اس کی ایک ادبی شکل ہے۔

پراکرتوں پر جب بیرونی اثرات پڑنے شروع ہوئے تو ان میں تبدیلی ہونے لگی۔ تبدیلی کے اس عمل میں دیسی پراکرتوں نے جدید پراکرتوں کی شکل اختیار کر لی۔ جدید پراکرتوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی تفصیلات سے قطع نظر جدید تحقیقات کی رو سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جدید پراکرتوں میں ایک شورسینی اَپ بھرنش بھی ہے اور اردو نے اسی اَپ بھرنش سے جنم لیا ہے۔ لیکن اردو کی پیدائش اور اس کی نشو و نما کے بارے میں چونکہ محققین نے علاحدہ علاحدہ نظریات پیش کیے اس لیے ان نظریات کو بھی ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

www.urduchannel.in

۱۔ اردو برج سے نکلی:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اردو ایک جدید ہند آریائی زبان ہے۔ اسی بنیاد پر بعض محققین کو اس میں پنجابی اور برج کے اثرات دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک اہم نام محمد حسین آزاد کا ہے۔ آزاد کا خیال ہے کہ اردو برج سے نکلی۔ آزاد کی دلیل یہ ہے کہ مغل حکمرانوں کا مرکز آگرہ تھا اور آگرے کے نواح میں برج بھاشا بولی جاتی تھی اس لیے اردو کا حقیقی ماخذ برج بھاشا کو ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نظریہ کی حمایت میں کوئی ایسا ثبوت نہیں پیش کیا گیا جس کی بنیاد کسی علمی تحقیق پر ہو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اردو برج بھاشا سے نکلی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ آزاد لسانی تحقیق کے اس لحاظ سے مردِ میداں ہیں کہ انھوں نے 'آبِ حیات' میں اردو زبان کی تاریخ کو سلسلہ وار بیان کرنے کی کوشش کی لیکن اپنے نظریے کی حمایت میں انھوں نے نہ تو کوئی شہادت پیش کی اور نہ ہی کوئی تقابلی مطالعہ کیا۔

۲۔ اردو سندھی سے نکلی:

اردو کی ابتدا سے متعلق ایک نظریہ یہ پیش کیا گیا کہ اردو سندھی زبان سے نکلی اور ابتدائی اردو کے نقوش سب سے پہلے سندھ میں نظر آتے ہیں۔ اس نظریہ کو سید سلیمان ندوی نے 'نقوشِ سلیمانی' میں پیش کیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان پہلے پہل سندھ میں سکونت پذیر ہوئے اور تقریباً چار صدیوں تک سندھ میں اُن کا اقتدار رہا۔ اس دوران ان مقامی باشندوں سے ان کے معاشرتی تعلقات قائم ہونا عین قرینِ قیاس ہے۔ لہٰذا دونوں قوموں کے میل ملاپ سے اور مشترک استعمالِ زبان سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جس کو ہم اردو کی ابتدائی شکل کا نام دے سکتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے چونکہ تاریخی شہادتوں سے صرفِ نظر کیا اس لیے یہ نظریہ بھی مسترد کر دیا گیا۔

۳۔ اردو پنجابی سے نکلی:

اردو پنجابی سے نکلی۔ یہ نظریہ محمود شیرانی نے بڑی دھوم دھام سے پیش کیا۔ شیرانی کے خیال سے اردو کا آغاز سرزمین پنجاب سے ہوا۔ ان کا کہنا ہے کہ اردو اور پنجابی میں کافی مشابہت

www.urduchannel.in

پائی جاتی ہے اور دونوں زبانوں کے درمیان گہری وابستگی ہے۔ شیرانی اپنی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ مسلم حکمراں چونکہ پنجاب کے راستے سے ہندستان میں داخل ہوئے اور ان میں سے بعض نے پنجاب کے علاقے میں اپنی ریاستیں بھی قائم کیں۔ خاص کر محمود غزنوی نے پنجاب میں ایک زبردست ریاست کی بنیاد ڈالی اور لاہور کو دارالخلافہ بنایا۔ لہٰذا یہ عین فطرت کے مطابق ہے کہ دونوں قوموں میں معاشرتی روابط قائم ہو گئے ہوں اور میل ملاپ کے اس مرحلے میں فارسی اور ترکی کے الفاظ پنجابی میں شامل ہو گئے ہوں۔ مسلمان حکمراں چونکہ کافی عرصے تک پنجاب کی سرزمین پر حکومت کرتے رہے اس لیے پنجاب کی بولی اس سے متاثر ہوئی ہو گی۔ ابوالفضل اور امیر خسرو نے اسی زبان کو ملتانی کا نام دیا ہے۔ پھر یہی بولی سپاہیوں اور تاجروں کے ساتھ دیگر علاقوں تک پہنچی اور نکھرتے نکھرتے اردو کی شکل اختیار کر گئی۔ شیرانی کے خیال کے مطابق یہی زبان محمد تغلق کے زمانے میں لشکر کے ہمراہ جنوبی ہندستان پہنچ گئی اور دولت آباد اس کا مرکز بنا۔ صوفیوں اور درویشوں نے اس کو تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ دکن کے شعرا نے بھی اسی زبان کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنایا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ زبان دہلی پہنچی اور اتنی ترقی یافتہ ہو گئی کہ اس میں ہر قسم کے خیالات ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

شیرانی نے سیاسی واقعات کی بنیاد پر لسانی شہادتیں پیش کی ہیں اور اُن کے نتائج اخذ کیے ہیں وہ بڑی حد تک متنازعہ فیہ ہیں۔ اس نظریہ کی تائید یا تردید میں لسانی تحقیق کی رو سے ہی کچھ کہنا مناسب ہو گا۔ شیرانی نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ قابلِ غور ضرور ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اردو اپنی صرف و نحو کے اعتبار سے پنجابی اور ملتانی سے زیادہ قریب ہے۔ اسما و افعال کا استعمال دونوں میں یکساں ہے۔ جمع بنانے کا طریقہ بھی دونوں میں مشترک ہے اکثر الفاظ جو الف پر ختم ہوتے ہیں تانیث کی حالت میں 'ی' پر ختم ہوتے ہیں اور دونوں زبانوں میں قواعد، مترادفات اور محاورات مشترک ہیں۔ شیرانی نے اردو کی ابتدا سے متعلق بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اردو کس علاقہ میں پیدا ہوئی۔ اس کے بعد یہ دیکھنا مناسب ہو گا کہ اردو پر نواحِ دہلی کی بولیوں کے کیا اثرات پائے جاتے ہیں۔

اردو پنجابی سے نکلی، اس نظریے کا سہرا بعض محققین نے شیرانی کے بجائے محی الدین قادری

www.urduchannel.in

زور کے سر باندھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دراصل زور ہی نے اپنی تحقیق کے دوران اس بات کا سراغ لگایا کہ اردو پنجابی سے نکلی ہے۔

پروفیسر مسعود حسین خاں اردو پر پنجابی کے اثرات کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی اس خیال کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کی عہد قدیم سے نشاندہی نہ کی جائے جدید آریائی زبانوں کی پیدائش کے سلسلے میں ہر قسم کا مطالعہ بے سود ثابت ہوگا۔ اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ادبیات کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ہمسایہ بولیوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ شیرانی نے اس پہلو کو نظر انداز کیا ہے۔ شیرانی کے نظریے میں دوسری خامی یہ ہے کہ جدید زبانوں کے مسائل پر بحث کرتے وقت پراکرت اور اپ بھرنش کے لسانی اصولوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

۴۔ اردو دکنی سے نکلی:

اردو کی ابتدا اور اس کے آغاز سے متعلق ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ اردو دکنی سے نکلی۔ یہ نظریہ نصیر الدین ہاشمی نے پیش کیا ہے اور 'دکن میں اردو' کے نام سے اپنی کتاب میں اس نظریے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہاشمی کی دلیل یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب تاجر تجارت کی غرض سے ایک بڑی تعداد میں ہندستان آئے اور مالابار کے ساحلی علاقے میں سکونت اختیار کر لی۔ جنوبی ہند کے بعض خاندان اب بھی انھیں تاجروں سے اپنا سلسلۂ نسب جوڑتے ہیں اور اس بات کا کھلم کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ ان عرب تاجروں کی اولاد ہیں جو ساتویں صدی عیسوی میں مالابار کے ساحل پر آباد ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ مشرقی ساحل تک پھیل گئے۔ مقامی باشندوں سے ان کا خلط ملط ہوتا گیا۔ اور باہمی رابطے کے لیے مشترک الفاظ کا استعمال ہونے لگا۔ زبان چونکہ سماجی رابطے میں اہم رول انجام دیتی ہے۔ اس لیے دونوں زبانوں کے اشتراک سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی اور یہی زبان رفتہ رفتہ ترقی کر کے ایک ایسی زباں بن گئی جس کو اردو کی مالا کہا جا سکتا ہے۔

اس نظریے سے بعض محققین کو اتفاق نہیں۔ خاص کر محی الدین قادری زور نے اس کی تردید میں دلیل پیش کی ہے کہ عرب جب جنوبی ہندستان میں وارد ہوئے تو اس وقت وہاں دراوڑی زبان بولی جاتی تھی اور اردو چونکہ ہند آریائی زبان سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اس

www.urduchannel.in

نظریہ کو تسلیم کرنا نہایت دشوار ہے۔ اگر اس نظریے کو تسلیم کیا جائے تو پھر ہونا یہ چاہیے کہ اردو میں دراوڑی زبان کے اثرات نظر آتے جب کہ صورتِ حال اس سے مختلف ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دکنی اردو، شمالی اردو سے مختلف ہے۔ اختلاف کی صورت بول چال میں خصوصیت کے ساتھ نظر آتی ہے مثلاً 'ق'، کا تلفظ دکنی اردو میں 'خ'، سے کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر صرفی و نحوی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے محققین کے نزدیک یہ نظریہ بھی قابل قبول نہیں۔

۵۔ اردو پالی سے نکلی:

کہا جاتا ہے کہ اردو کی ابتدا سے متعلق یہ نظریہ شوکت سبزواری نے پیش کیا۔ جب کہ شوکت سبزواری خود اس کی تردید کرتے ہیں۔ 'داستان زبان اردو' کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں "اردو کے آغاز و ماخذ کے بارے میں آج تک جو نظریے پیش کیے گئے ہیں، سنجیدہ اور غیر سنجیدہ دونوں قسم کے ان پر میں نے کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے اور ناقدانہ نظر ڈالی ہے اپنی طرف سے میں نے کوئی نظریہ نہیں پیش کیا اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر اختر اورینوی اور پروفیسر احتشام حسین فرماتے ہیں کہ میں پالی کو اردو زبان کی اساس قرار دیتا ہوں یہ درست نہیں ہے۔ میں وہی کہتا ہوں جو جونس بلاک، گریرسن، چٹرجی اور دوسرے ائمۂ فن نے کہا ہے۔ اور یہ کہ اردو نے جس زبان سے ارتقا پائی وہ کبھی بالائی دوآبے میں بولی جاتی تھی۔"

شوکت سبزواری کو علوم مشرقیہ میں درک حاصل تھا۔ قواعد پر گہری نظر رکھتے تھے اور لسانیات کا بھی علم رکھتے تھے۔ انھیں الفاظ کی تاریخ اور علم اشتقاقیات پر بھی عبور تھا۔ اسی کے وسیلے سے انھوں نے زبان کے ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سبزواری نے اپنی تحقیق سے جو نتائج اخذ کیے ہیں انھیں مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اردو نہ تو سنسکرت، پالی، شورسینی سے نکلی ہے اور نہ ہی کھڑی سے بلکہ خود کھڑی ہی اردو ہے۔ اردو کا ماخذ پراکرت ہے۔ وہ پراکرت جو دہلی اور نواحِ دہلی میں بولی جاتی ہے۔ شوکت سبزواری نے پالی اور اردو میں بعض لسانی مماثلتیں ضرور دریافت کی ہیں۔ اور دونوں زبانوں کے رشتے پر زور دیا ہے۔ محی الدین قادری زور نے بھی پالی اور اردو کے درمیان پائی جانے والی مشابہت کی طرف

www.urduchannel.in

توجہ دلائی ہے۔

مسعود حسین خاں نے اردو کی ابتدا کے متعلق جو مشاہدات پیش کیے ہیں ان میں سے چند کا ذکر یہاں برمحل ہوگا۔ موصوف کا کہنا ہے کہ دوسری بہت سی جدید ہند آریائی زبانوں کی طرح اردو کی ابتدا بھی اپ بھرنش کے دھندلکے میں گم ہے اس دور کی لسانی تاریخ کا ماخذ جس قسم کا تحریری مواد ہے وہ غیر مصدقہ بھی ہے۔ قدیم اسلوب کا مطالعہ چونکہ تحریری الفاظ کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے اس لیے بولیوں کے اختلافات اور جدید ہندستانی زبانوں کے ارتقا کی صورتِ حال بڑی حد تک غیر واضح رہ جاتی ہے۔ اردو کا تحریری سرمایہ چونکہ تسلسل کے ساتھ چودہویں صدی سے عہدِ حاضر تک موجود ہے اس لیے اس کا تاریخی مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور اردو پر پنجابی، میواتی، برج بھاشا اور کھڑی بولی کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ کھڑی بولی بلاشبہہ اس کی اساس کا کام دے سکتی ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر جو نتائج اخذ کیے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دکنی زبان دہلی کی قدیم اردو کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اس میں چند الفاظ اردو سے مختلف ہیں اور تلفظ کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اس پر ہریانی اور کھڑی بولی کے اثرات پائے جاتے ہیں لہٰذا یہ سمجھنا چاہیے کہ دکنی نہ تو برج بھاشا سے نکلی ہے اور نہ پنجابی سے بلکہ اس کی ابتدا نواحِ دہلی کی بولیوں سے ہوئی۔ آخر میں مسعود حسین خاں نے واضح الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اردو میواتی، ہریانی اور کھڑی بولی کے اختلاط سے وجود میں آئی اور آج کی معیاری اردو مرادآباد اور بجنور کے اضلاع کی بولی سے قریب تر ہے لیکن اپنے ارتقائی مدارج کے لحاظ سے یہ جمنا پار کی ہریانوی بولی سے زیادہ قریب تھی۔ موصوف کی رائے میں اردو زبان کے ارتقا کی داستان عہدِ اپ بھرنش سے شروع ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کی تشکیل و تعمیر میں مختلف اثرات کارفرما ہیں۔ کسی ایک خطّے کا دخل نہیں۔ یہ اثرات بیرونی بھی ہیں اور اندرونی بھی۔ یعنی ایک طرف بیرونی قومیں مقامی بولیوں پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں جن کے تحت ترکی، عربی اور فارسی الفاظ اردو میں شامل ہوتے گئے اور دوسری طرف مقامی بولیاں بھی اس کو نکھارتی رہیں۔ اس طرح دہلی اور نواحِ دہلی میں ایک تیسری زبان تشکیل پاتی رہی اور اردو کا خمیر

www.urduchannel.in

تیار ہوتا رہا۔ مسلمان حکمراں اور صوفیۂ کرام نے اس کو پھولنے پھلنے کے زیادہ مواقع فراہم کیے۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ جس عہد میں یہ لسانی عمل تشکیل پا رہا تھا اُس وقت دہلی اور دہلی کے قرب و جوار میں کھڑی بولی رائج تھی اور یہی بولی محمد تغلق اور اس کے لشکر کے ہمراہ دکن پہنچی اور وہاں اس کی نشو و نما ہونے لگی۔ درویشوں اور صوفیوں نے اسی زبان کو تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا اور رفتہ رفتہ یہ ادبی زبان بن گئی۔

www.urduchannel.in

۷۔ تدریسِ اردو کے مقاصد

ہر مضمون کو پڑھانے کے کچھ نہ کچھ مقاصد متعین ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے کوئی نہ کوئی نصاب تجویز کیا جاتا ہے اور اس نصاب کے مطابق تدریس کی جاتی ہے۔ تدریس کے لیے کسی موزوں طریقے کا انتخاب کیا جاتا ہے اور آخر میں تحصیل کی جانچ کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے تعیّنِ مقاصد کو تدریسی نظام میں اوّلیت حاصل ہے۔ لہٰذا تعیّنِ مقاصد میں اگر کسی طرح کی کوتاہی برتی گئی تو تعلیم و تدریس کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

تدریسِ اردو کے مقاصد بیان کرنے سے قبل یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ اردو بحیثیت مادری زبان پڑھانا مقصود ہے یا بحیثیت ایک مضمون کے۔ بحیثیت مضمون بھی اردو پڑھانے کے مقاصد کا تعیّن کرنے سے قبل یہ دریافت کرنا ضروری ہے کہ اردو بحیثیت زبان زائد پڑھائی جا رہی ہے یا ایک بیرونی زبان کی حیثیت سے اس کی تدریس مقصود ہے۔

دیگر زبانوں کی طرح اردو پڑھانے کے مقاصد مدرسے کی ہر منزل پر مختلف ہوں گے ابتدائی، ثانوی اور اعلا ثانوی جو عام طور پر پرائمری، سکینڈری اور سینیر سیکنڈری کے نام سے مشہور ہیں، ہر منزل کے تقاضے الگ ہیں اس لیے ہر منزل کا نصاب بھی علاحدہ ہوگا۔ لیکن ان کے درمیان ایک افقی اور عمودی ربط ہونا ضروری ہے۔ افقی ربط سے مراد ہے کہ ایک ہی جماعت کے طالب علموں کو اردو پڑھاتے وقت دیگر مضامین کی تدریس سے کیسے مربوط کیا جائے اور عمودی ربط سے مراد ہے کہ کسی ایک جماعت کے طلبہ کو اردو پڑھاتے وقت اگلی جماعت کے

www.urduchannel.in

کام سے کیسے ربط دیا جائے۔ گویا ہر منزل کے نصاب میں باہمی تسلسل اور ربط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پرائمری منزل پر اردو کی تدریس کے درج ذیل مقاصد بیان کیے جا سکتے ہیں

عام مقاصد:

عام مقاصد سے مراد وہ مقاصد ہیں جن کو مجموعی اور عمومی حیثیت سے ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ان مقاصد کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے حصول کے لیے کوئی مدت متعین نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی مخصوص طریقۂ کار ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ مقاصد بڑی حد تک مبہم ہوتے ہیں۔ اسی ابہام کی وجہ سے انھیں ٹھیک ٹھیک بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پرائمری منزل پر۔ تدریس اردو کے چار عام مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔

۔ آوازوں کے ذریعے یعنی بول کر مافی الضمیر کے اظہار کی مہارت پیدا کرنا۔
۔ علامتوں کے ذریعے یعنی لکھ کر مافی الضمیر کے اظہار کی مہارت پیدا کرانا۔
سنی ہوئی بات کو سمجھ کر تفاعل کی صلاحیت پیدا کرانا۔
لکھی ہوئی بات کو پڑھ کر تفاعل پر قدرت حاصل ہونا۔

اب ان مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر خود سے یہ سوال کیا جائے کہ بولنے سے ٹھیک ٹھیک کیا مراد ہے۔ اسی طرح اظہار مافی الضمیر سے قطعی طور پر ہم کیا سمجھتے ہیں۔ پھر ان مقاصد کے حصول کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ ان سب سوالوں کے جواب قطعی طور پر ممکن نہیں۔ مزید برآں بولنے کی مہارت تو بچہ اسکول میں قدم رکھنے سے قبل ہی حاصل کر چکا ہوتا ہے اپنے گھر، خاندان اور ماحول میں اپنی زبان سیکھ چکا ہوتا ہے اور زبان پر اس حد تک قدرت حاصل کر چکا ہوتا ہے کہ بول کر اپنی ضروریات رفع کر سکے سماجی رابطہ قائم کر سکے اور بول کر اپنے مشاہدات و تجربات کو بیان کر سکے یہ سب کچھ اس نے بیرون مدرسہ سیکھا ہے۔

مذکورہ بالا ملحوظات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ تمام باتیں چونکہ مبہم ہیں اس لیے ان جیسے تمام مقاصد کو عام مقاصد میں شمار کیا جائے گا۔

www.urduchannel.in

خاص مقاصد: خاص مقاصد بڑی حد تک جزوی ہوتے ہیں۔ جزوی مقاصد سے مراد ہے کہ زبان کی تدریس سے کوئی خاص مہارت یا صلاحیت پیدا کرانا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے تحت وقت کا تعین ہوتا ہے۔ طریقۂ کار بھی بڑی حد تک متعین ہوتا ہے۔ جیسے تدریسِ اردو کا خاص مقصد ہے اردو پڑھنا سکھانا اردو لکھنا سکھانا۔ ہر چند کہ یہ جزوی مقاصد ہیں، ان میں بھی کسی حد تک عام مقاصد کی شان پائی جاتی ہے۔ اس لیے متعین ہونے کے باوجود یہ غیر متعین ہوتے ہیں۔

پرائمری منزل اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس منزل پر طلبہ میں لسانی عادتیں پیدا کرائی جاتی ہیں اور اس منزل پر چونکہ خصوصیت کے ساتھ خیالات احساسات اور جذبات کی نشو و نما ہوتی ہے اس لیے تعلیم و تدریس میں اس کی خصوصی اہمیت ہے۔ مزید برآں یہ شخصیت سازی کی بھی منزل ہوتی ہے یعنی اس منزل پر شخصیت کی داغ بیل پڑتی ہے۔ تعلیمی معطیوں سے پتا چلتا ہے کہ طلبہ کی بڑی تعداد دورانِ تعلیم یا اختتام پر تعلیم سے دست کش ہو جاتی ہے چنانچہ اس منزل پر وہ جو کچھ بھی حاصل کر لیں وہی ان کا سرمایہ فکر و احساس ہوگا لہٰذا اس منزل پر تدریسِ اردو کے حسبِ ذیل مقاصد بیان کیے جا سکتے ہیں۔

بولنا سکھانا:

بات چیت پر قدرت حاصل کرنا۔
بولتے وقت صاف، صاف اور صحت کے ساتھ بولنے کی مہارت پیدا کرنا۔
صحیح تلفظ کے ساتھ بولنے کی مشق کرانا۔
بولتے وقت لہجے پر قدرت حاصل کرنا۔
فطری انداز سے بولنے کی عادت ڈالنا۔

پڑھنا سکھانا:

صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
اعراب و تفصیل کے ساتھ پڑھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
صحیح لہجے پر قدرت حاصل کرانا۔

www.urduchannel.in

مناسب رفتار اور موزوں لب و لہجے کے ساتھ پڑھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
بلند خوانی اور خاموش خوانی کی مہارت پیدا کرانا۔

لکھنا سکھانا:

صحیح املا کے ساتھ لکھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
لکھتے وقت شوشے، دائرے اور مرکز کا خیال رکھنا۔
لفظ، لفظ کے درمیان فاصلے کا خیال رکھنا۔
صحت و صفائی کے ساتھ لکھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
اوقاف کا خیال رکھنا۔

سمجھنا سکھانا:

تفہیم کی مختلف سطحیں ہوتی ہیں۔ پرائمری سطح پر تفہیم کا پہلو اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا شناخت تمیز، مترادف، متضاد اور تکرار وغیرہ سے واقفیت پیدا کرانا مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا تفہیم کے لحاظ سے عام مقاصد کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے۔

لفظ اور جملے کی شناخت کر سکنا۔
صحیح ہجے کے ساتھ لفظ اور جملے کو پڑھ سکنا۔
الفاظ کو صحیح ترتیب کے ساتھ پہچان سکنا۔
سوالات کے صحیح جواب دے سکنا۔
اظہار کے لیے مناسب لفظ کا انتخاب کر سکنا۔
مناسب الفاظ اور صحیح جملوں کو استعمال کر سکنا۔
نئے الفاظ کے معنی سمجھ سکنا۔
عبارت پڑھ کر واقعات کو بیان کر سکنا۔

غرض پرائمری سطح کی آخری منزل تک پہنچتے پہنچتے طلبہ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ زبان کی میکانکی اور نیم میکانکی مہارتوں پر قدرت حاصل کر چکے ہوں گے اور ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہوگی کہ وہ جو کچھ کہنا چاہیں صفائی کے ساتھ کہہ سکیں جو کچھ لکھنا چاہیں صفائی

www.urduchannel.in

کے ساتھ لکھ سکیں اور عبارت کو پڑھ کر نفسِ مضمون سے واقفیت پیدا کر سکیں۔

تدریسِ زبان کے مقاصد کے سلسلے میں کچھ اور مباحث بھی منظرِ عام پر آئے ہیں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا لسانی مقاصد دراصل افادی مقاصد ہیں، بعض نے انھیں معاشی مقاصد بھی بتایا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہ صرف سماجی رابطے میں معاون ہوتی ہے بلکہ ان کے وسیلے سے انسان اپنے کاروبار کو ترقی دیتا ہے، اپنے پیشے کو بہتر بناتا ہے بلکہ اپنی زندگی میں اس کے وسیلے سے معنویت پیدا کرتا ہے۔ ان مہارتوں کے حصول سے دیگر مضامین کی آموزش میں مدد ملتی ہے۔ حصولِ معلومات میں سہولت پیدا ہوتی ہے اردو زبان کے وسیلے سے تصورات میں استحکام اور خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ گویا افادی نوعیت کے ساتھ ساتھ ان کی حیثیت علمی بھی ہے۔

اس کے برعکس زبان کی تعلیم کا جدید نظریہ یہ ہے کہ یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ شخصیت سازی کا ایک اہم وسیلہ ہے اور اس کے ذریعے بچے کی متوازن نشوونما میں بہت سہولت پیدا ہوتی ہے۔ گویا زبان کا ایک نشوونمائی تصور پیش کیا جاتا ہے۔

زبان کی تعلیم کے دائرے کو اور بھی وسیع تناظر میں دیکھا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ زبان کے ذریعے حصولِ معلومات و مہارت کے ساتھ ساتھ اقدار کا بھی فروغ مقصود ہوتا ہے۔ وہ اقدار جو صحت مند ہوں، تعقل پر مبنی ہوں اور نسل و مذہب کے تعصب سے بالاتر ہوں۔ وہ اقدار جو روشن خیالی پیدا کرتی ہوں اور وسیع المشربی کا جذبہ پروان چڑھاتی ہوں۔ بالفاظ دیگر ان مباحث سے اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے کہ تعلیم کی ہر سطح پر اور تعلیم کے ہر رتبے میں قومی اقدار کے فروغ کی گنجایش ہونی چاہیے۔ قومی اقدار میں جمہوریت، سیکولرازم، سوشلزم اور قومی ہم آہنگی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

اردو زبان و ادب چونکہ قومی و جذباتی ہم آہنگی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے اس لیے اردو کے نصاب میں ایسا انتخاب ضرور شامل کرنا چاہیے جو قومی ہم آہنگی کا احساس پیدا کرانے میں معاون ہو۔ ہر چند کہ پرائمری درجات میں زیادہ تر لسانی مہارتوں کی نشوونما مقصود ہوتی ہے تاہم ثانوی مقصد کے طور پر لسانی اور قومی اقدار کی نشوونما پر زور دیا جا سکتا ہے۔

اردو ایک تہذیب کا بھی نام ہے اور یہ تہذیب ایک گنگا جمنی تہذیب ہے اس تہذیب کے فروغ میں مختلف زبانوں، فرقوں اور قوموں کا اشتراک رہا ہے اس خصوصیت کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ہر اعتبار سے ایک مشترکہ تہذیب کی علمبردار ہے اس پہلو کو بھی ثانوی مقصد کے طور پر ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

www.urduchannel.in

۸۔ اردو کا نصاب

نصاب کا نیا تصوّر:

علم و حکمت کی ترقی کے ساتھ ساتھ نت نئے تصوّرات نے جنم لیا ہے۔ ان میں سے ایک نیا تصوّر نصاب کا بھی ہے۔ قدیم تصوّر کے تحت نصاب کے اجزا کو محض موادِ مضمون تک محدود سمجھا جاتا تھا نئے رجحانات کی رو سے اس کا حلقۂ عمل زیادہ وسیع تصوّر کیا جاتا ہے۔ نصاب مدرسے کا ایک لائحہ عمل ہوتا ہے۔ اس میں وہ تمام تصوّرات اور بنیادی نکات درج کیے جاتے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے استاد بحُسن و خوبی ان مقاصد کا حصول کر سکتا ہے جو اس منزل کی تعلیم کے لیے مخصوص ہیں۔

نصاب دراصل تعلیم کی اندرونی تنظیم کا نام ہے۔ یہ استاد کے ہاتھ میں ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے شاگردوں کو ڈھالتا اور اپنے نصب العین کو حاصل کرتا ہے۔

مدرسہ چونکہ سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لیے نصاب کو بھی سماج سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ سماج تغیّر پذیر ہوتا ہے۔ اس لیے نصاب کو بھی تغیّر پذیر ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ ترقی پذیر بھی۔ تاکہ وہ تعلیم کی تشکیلِ نو میں نصاب خاطر خواہ رول ادا کر سکے۔

ان ملحوظات کے پیشِ نظر تدوینِ نصاب ایک اہم اور مشکل کام ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فنِ تعلیم کے مشکل کاموں میں سے ایک ہے لہٰذا نصاب کی تیاری میں احتیاط اور توجہ دونوں درکار ہیں۔ نصاب کی ترتیب اور تنظیم میں اگر ایک طرف عمرانیات، سماجیات اور نفسیات کا علم ضروری ہے تو دوسری جانب بچّے کے ماحول اور اس کی ضروریات کو بھی ملحوظ

www.urduchannel.in

رکھنا لازمی ہے۔

نصاب کا مقصد اضافۂ معلومات نہیں بلکہ بچوں کی زندگی سنوارنا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بچوں میں جو خداداد صلاحیتیں موجود ہیں ان کی بدرجۂ اتم نشوونما ہو اور ان میں ایک متمدن زندگی کے فرائض کا شعور پیدا ہو جائے۔

ایک اچھا نصاب، استاد کے لیے ایک ایسے آلے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعے وہ تعلیم کے علاوہ بچوں کا اخلاق بھی سنوارتا ہے اور اس کی متوازن نشوونما کے لیے ایک خوشگوار ماحول بھی پیدا کرتا ہے لہٰذا کامیاب تدریس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر سطح پر مضامین کی تدریس کا ایک عمدہ نصاب تیار کیا جائے۔

ابتدائی سطح پر عام طور سے پانچ سال کی عمر میں جو بچے داخل ہوتے ہیں ان میں کافی انفرادی فرق پایا جاتا ہے۔ ان کی لسانی صلاحیتوں اور زبان سیکھنے کی جانب ان کے رویوں میں بھی کافی اختلاف نظر آتا ہے۔ اگر ان پہلوؤں کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ان بچوں کی صلاحیتوں مہارتوں اور دلچسپیوں میں بہت دلچسپ تنوع نظر آئے گا۔ ممکن ہے کوئی بچہ وافر ذخیرۂ الفاظ پر قدرت رکھتا ہو لیکن بعض اصوات کی ادائیگی میں دوشواری محسوس کرتا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ وہ کہانی سنانے کی بخوبی صلاحیت رکھتا ہو لیکن زبان کے استعمال میں لاپرواہو۔ زبان کی بنیادی مہارتیں اور استعمال کے اصول سکھانے کی ذمے داری بڑی حد تک ابتدائی درجات کے اساتذہ پر ہے۔ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ ابتدائی منزل پر تدریسِ اردو کے مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو حصولِ مقاصد سے پورے طور پر ہم آہنگ ہو۔

زبان کے ایک عمدہ نصاب کا تقاضا یہ ہے کہ مناسب طریقۂ تعلیم اختیار کیا جائے اور ایسی تدابیر عمل میں لائی جائیں کہ بچوں میں دلچسپی پیدا ہو سکے اور سہولت کے ساتھ مقاصد کا حصول ہو سکے۔ جس استاد کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کے رجحانات اور طبعی تقاضے کیا ہیں وہ طلبہ کو پڑھاتے وقت ان تقاضوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔

مادری زبان کی حیثیت سے اردو کی تدریس میں خصوصیت کے ساتھ یہ پہلو ذہن نشیں رکھنا چاہیے کہ مادری زبان صرف مدرسے کا مضمون نہیں بلکہ پورے مدرسے کی زندگی کی ایک شرط ہے۔ مدرسے کی تمام تر زندگی میں ہمارا ہی اور گہرا کبھی مادری زبان ہی کے طفیل، نظر آتی ہے۔ ایک جانب مادری زبان شخصیت سازی کا ایک ذریعہ ہے تو دوسری جانب افہام و تفہیم اور

www.urduchannel.in

تدریس و تعلیم کا بھی ایک اہم وسیلہ ہے۔ مادری زبان کے ذریعے ایک طرف بچّہ خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار کرتا ہے تو دوسری طرف گرد و پیش کی زندگی کے مُحسن سے لطف اندوز ہوتا ہے، تہذیبی زندگی میں بھی رنگ بھرنے کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ مادری زبان ذہنی اور تہذیبی زندگی کا سنگ بنیاد ہے۔

ابتدائی منزل کی تعلیم کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچّہ لسانی اظہار پر قدرت حاصل کرلے۔ اس لیے اس منزل پر ہر نصاب مرتب کرتے وقت لسانی مہارتوں کی تنظیم اس طرح کرنی چاہیے کہ بچّہ زیادہ سہولیت کے ساتھ مطلوبہ لسانی عادتیں پیدا کرسکے۔

لسانی مہارتیں اپنی نوعیت اور خصوصیت کے اعتبار سے دو طرح کی ہوتی ہیں، میکانکی اور نیم میکانکی۔ میکانکی مہارتوں میں صحیح تلفظ، ادائیگی، لب و لہجے کی شستگی اور خوش خطی وغیرہ شامل ہیں۔ ابتدائی منزل پر زبان کی تعلیم کے دوران انھیں مہارتوں کا زیادہ استعمال بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح نیم میکانکی مہارتوں میں بات چیت، گفتگو، پڑھنا اور لکھنا شامل ہیں لہٰذا ابتدائی منزل پر ان مہارتوں کی نشوونما اور مناسب لسانی عادتیں پیدا کرانے پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی چاہیے۔

ایک عمدہ نصاب میں عمودی اور اُفقی ربط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے لہٰذا درجہ وار نصاب مرتب کرتے وقت درجہ وار نصاب کے مابین ایک منطقی ربط ہونا چاہیے اسی طرح مدرسے اور گرد و پیش کی زندگی سے بھی موضوعات کا رشتہ پیدا کرانا ضروری ہے۔

مادری زبان کی حیثیت سے اردو کو درجہ وار نصاب مرتب کرتے وقت لسانی مہارتوں اور صلاحیتوں کی تقسیم حسب ذیل طریقے سے کی جاسکتی ہے۔

جماعت اوّل:

بولنا:

پہلی جماعت میں جب بچّے داخل ہوتے ہیں تو اُن میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہوچکی ہوتی ہے کہ وہ بول کر اپنے مافی الضمیر کو ادا کرسکیں لہٰذا اب اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ سیکھے ہوئے الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرسکیں۔ اپنے مشاہدات کی بنیاد پر گرد و پیش کے

www.urduchannel.in

حالات اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں۔ کہانیاں سُن کر اپنے الفاظ میں سُنا سکیں اور ہلکی پھلکی نظمیں صحیح لب و لہجے کے ساتھ پڑھ کر سنا سکیں۔ اپنے ماحول کی جاندار اور بے جان اشیاء کی پہچان کر سکیں اور اُن کے ناموں کے ساتھ اُن کی شناخت کر سکیں۔ خاص طور سے جانوروں، پرندوں اور پھول پودوں کے نام سے ان کی شناخت کر سکیں۔

پہلی جماعت میں بولنے کی نشوونما کرانے کے لیے گھر، مدرسے اور گرد و پیش سے متعلق بات چیت کی جا سکتی ہے، کہانیاں سنائی جا سکتی ہیں، ۔ کہانیاں سنتی بھی جا سکتی ہیں۔ اور ہلکی پھلکی نظمیں یاد کرائی جا سکتی ہیں، تصویروں کے ذریعے کہانی کہلوائی جا سکتی ہے۔ مختلف کھیلوں اور سیر سپاٹوں سے متعلق بات چیت ہو سکتی ہے۔

پڑھنا:

پہلی جماعت میں چونکہ پڑھنے اور لکھنے کا آغاز کرایا جاتا ہے اس لیے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ بچے حروف تہجی اور اعراب کو صحیح طریقے سے پڑھ سکیں۔ حروف کو ملا کر لفظ اور لفظوں سے جملے بنا کر پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔ بول چال میں آنے الفاظ اور نئے الفاظ کا صحیح تلفظ ادا کر سکیں اور سان عبارت کو روانی اور تاثر کے ساتھ پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔

لکھنا:

عام طور پر یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ پڑھنا اور لکھنا ساتھ ساتھ شروع کرانا چاہیے لہٰذا پہلی جماعت میں لکھائی کی بنیادی مہارتوں پر توجہ دینا چاہیے۔ یعنی حروف کو ملا کر لکھنے کی مشق کرائی جائے۔ اردو میں عام طور پر حروف کی تین ملواں شکلیں ہوتی ہیں۔ ابتدائی، درمیانی اور انتہائی۔ ان میں بھی کبھی یکسانیت باقی نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر 'بکری' میں 'ب' کی شکل 'ب' ہے 'ب' اور 'ک' کی 'ک' 'لیکن' کام' میں 'ک' کی شکل 'کا' ہو جاتی ہے اسی طرح بعض حروف ابتدا میں اپنی اصلی صورت کو قائم رکھتے ہیں اور بعض ہر حالت میں اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں۔ جیسے لفظ 'اردو' کو لیجیے اس لفظ میں حروف کی شکلیں نہیں بدلتیں بلکہ سب اپنی شکل میں موجود ہیں۔ اسی طرح 'زرد، درد' وغیرہ بہت سے الفاظ گنائے جا سکتے ہیں۔

www.urduchannel.in

حروف کو ملا کر لکھنے کی صحیح مہارت پیدا کرانے کے بعد لکھائی کا کام بڑی حد تک سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بچوں میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانی چاہیے کہ وہ الفاظ اور جملوں کو صحیح املا کے ساتھ لکھ سکیں۔ اس منزل پر منفرد الفاظ اور جملے لکھوانے چاہیے۔

لکھنے کی مہارتیں پیدا کرانے کے لیے نقل نویسی سے آغاز کرانا چاہیے اور طلبہ میں اس بات کی عادت پیدا کرانی چاہیے کہ وہ سیدھے بیٹھ کر لکھیں، تختی، سلیٹ یا کاپی سیدھی رکھیں، لکھتے وقت الفاظ کے درمیان فاصلے کا خیال رکھیں اور صاف صاف لکھنے کی کوشش کریں۔

جماعت دوم:

پہلی جماعت میں جن مہارتوں کی داغ بیل ڈالی جاتی ہے دوسری جماعت میں ان کی مشق کرائی جاتی ہے اور بعض نئی مہارتیں پیدا کرائی جاتی ہیں اس طرح زبان کی بنیادی عادتوں اور رجحانات میں ترقی و توسیع کرائی جاتی ہے۔ لہٰذا جماعت دوم کے نصاب میں ان ملحوظات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

پڑھنا:

اس منزل پر باآواز بلند پڑھنے پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے لہٰذا شاگردوں میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانی چاہیے کہ وہ اپنی درسی کتاب سے صحت اور روانی کے ساتھ باآواز بلند عبارت پڑھ سکیں، پڑھتے وقت الفاظ کا صحیح اور واضح تلفظ ادا کر سکیں اور پورا جملہ ایک سانس میں پڑھ سکیں۔ پڑھتے وقت اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ سطر پر انگلی رکھے بغیر پڑھیں۔ اسی طرح نظم پڑھ کر سنا سکیں اور پڑھتے وقت مصرعوں کی موزونیت اور الفاظ کے زیر و بم کا خیال رکھ سکیں۔

پڑھائی کے پروگرام کے ساتھ بعض عادتوں میں پختگی پیدا کرانے کی جانب بھی توجہ دینا ضروری ہے۔ مثلاً پڑھتے وقت ٹھیک طرح سے بیٹھ کر پڑھیں یا ٹھیک کھڑے ہو کر پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ اپنی درسی کتاب کو صفائی کے ساتھ رکھ سکیں۔

مندرجہ بالا صلاحیتوں اور مہارتوں کے حصول کے لیے درسی کتاب کو ذریعہ بنایا جائے

www.urduchannel.in

گا، درسی کتاب کی فہرست مضامین سے سبق ڈھونڈنے کے مشغلے کو اور کتاب میں دی ہوئی مشقوں اور عملی کاموں کو بھی استعمال کیا جائے گا۔

بولنا اور لکھنا:

جماعت اوّل میں زبانی کام پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس لیے بات چیت اور گفتگو کے ذریعے بچوں میں پڑھائی لکھائی کا شوق پیدا کرایا جا سکتا ہے۔ نفسیات کے علم کے علاوہ عام مشاہدے سے بھی اس بات کا پتا چلتا ہے کہ بچہ بولنا پہلے ہے اور پڑھنا لکھنا بعد میں ہے۔ یعنی زبان کا صوتی استعمال تحریری استعمال سے پہلے ہوتا ہے۔ زبانی اظہارِ خیال پر بچہ اگر ایک حد تک قدرت حاصل کر لے تو پڑھائی کے کام میں سہولت پیدا ہوتی ہے اور لکھائی کے کام میں تو ترقی اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا زبانی کام یعنی بولنے کی ترتیب اور مشق اور تحریری کام یعنی لکھنے کی ترتیب اور مشق کو نصاب میں ایک ساتھ جگہ دی گئی ہے۔ ایسا کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مدرسوں کے نصاب میں زبانی کام کے لیے علاحدہ سے وقت نہیں نکالا گیا ہے بلکہ یہ سوچ لیا گیا ہے کہ تمام مضامین پڑھاتے وقت بات چیت اور سوال و جواب کے پیرائے میں زبانی کام کی مشق ہوتی رہتی ہے اس لیے اس کے واسطے علاحدہ سے وقت فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔

مندرجہ بالا ملحوظات کے پیشِ نظر ابتدائی مدرسے کے نصاب میں بولنا اور لکھنا ایک ساتھ رکھا گیا ہے۔

جماعت دوم میں بچوں میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانی چاہیے کہ وہ صاف صاف بول سکیں، بولتے وقت صحیح تلفظ ادا کر سکیں، ادائیگی اور لب و لہجے کا بھی خیال رکھ سکیں، چھوٹے موٹے قصوں کو تمثیلی انداز میں بیان کر سکیں، گرد و پیش کی زندگی سے متعلق اپنے مشاہدات کو سنا سکیں، دلچسپ نقلیں سنا سکیں، اپنے ہم جماعتوں سے بھی اچھی طرح بات چیت کر سکیں اور اُستاد کی ہدایتوں کو ٹھیک سے سن کر ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

ان صلاحیتوں کی نشو و نما کے لیے ایسے مواقع فراہم کرنے چاہییں کہ طالب علم کہانیاں اور نظمیں سُنا سکیں، گرد و پیش کے مشاہدات بیان کر سکیں۔ ریڈیو اور ٹی وی پروگرام سے استفادہ کر کے اپنے ساتھیوں کو سنا سکیں، سیر و تفریح، تقریبات، میلوں ٹھیلوں اور تہواروں

www.urduchannel.in

کے واقعات بیان کر سکیں۔ اعلان، اشتہار اور اطلاعات پڑھ کر سنانے کی اہلیت پیدا کر سکیں۔ کسی بچے کی کوئی چیز اگر گم ہو جائے تو وہ اپنی جماعت کے سامنے کھڑے ہو کر مختصر طور پر اس کی تفصیل بیان کر سکے اور اندازے سے یہ بتا سکے کہ کون سی چیز کھوئی ہے اور کس جگہ کھوئی ہے۔

اوپر جن مشاغل کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھیں سے متعلق لکھائی کا کام کرایا جا سکتا ہے۔ مثلاً چھوٹے چھوٹے جملوں کو تختہ سیاہ پر لکھ کر ان کی نقل لکھائی جا سکتی ہے۔ بچوں نے جو کام کیے ہیں یا ابھی حال میں جن چیزوں کو دیکھا ہے ان سے متعلق چھوٹے چھوٹے جملے لکھوائے جا سکتے ہیں۔

تحریری مشاغل سے متعلق بچوں میں اس بات کی عادت پیدا کرائی جا سکتی ہے کہ وہ لکھتے وقت شوشوں اور دائروں کا خیال رکھیں، لفظوں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھیں، صحتِ املا کا خیال رکھیں۔ قلم ٹھیک طرح سے پکڑیں اور ٹھیک طرح سے چلائیں، سیدھے بیٹھ کر لکھیں، کاپیاں بھی سیدھی رکھیں اور حاشیہ چھوڑ کر لکھنے کی عادت ڈالیں۔

جماعت سوم:

سوم جماعت، ابتدائی دو جماعتوں اور بعد کی دو جماعتوں کے بیچ درمیانی کڑی ہے۔ اس لیے اس جماعت میں دوم جماعت کے پورے نصاب کا اعادہ کرایا جائے گا اور بعض نئی مہارتیں بھی پیدا کرائی جائیں گی۔ مثلاً دوم جماعت میں بلند خوانی کی مہارت پر زیادہ زور دیا جائے گا یہاں اس میں مزید پختگی پیدا کرائی جائے گی اور پڑھائی کی ایک نئی مہارت پیدا کی جائے گی۔ اس کو مطالعہ زیرِ لب کہہ سکتے ہیں۔ یہ بلند خوانی اور خاموش خوانی کی درمیانی کڑی ہے۔ خاموش مطالعہ کا کام باقاعدہ طور پر چوتھی جماعت سے شروع کرانا مناسب ہوگا۔

مطالعہ زیرِ لب یعنی منہ ہی منہ میں پڑھنے کی کیفیت ہونی چاہیے مطلب یہ کہ ہونٹ ہلیں لیکن آواز دوسروں کو نہ سنائی دے۔ مطالعہ زیرِ لب کے دوران صحتِ تلفظ، روانی اور تاثر کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ الفاظ اور جملوں کے مفہوم پر بھی توجہ ہونی چاہیے۔ یعنی بچہ توتے کی طرح محض رٹائی سے کام نہ لے بلکہ جملے یا عبارت کے پوشیدہ مفہوم تک بھی رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس منزل پر طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اچھا خاصا اضافہ ہو سکتا

www.urduchannel.in

ہے اور طلبہ میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرائی جا سکتی ہے کہ وہ یاد کیے ہوئے اور نئے الفاظ کو واضح طریقے سے پڑھ سکیں اور پڑھتے وقت صحتِ تلفظ، روانی اور تاثر کا خیال رکھیں۔ مزید یہ کہ پڑھتے وقت اوقاف کا خیال رکھیں، اوقاف کی محض شناخت کرنا کافی نہیں بلکہ پڑھنے کے ڈھنگ اور مفہوم پر اوقاف کا جو اثر پڑتا ہے اس کا شعور بھی پیدا کر سکیں۔

اس منزل پر درسی کتاب کے علاوہ قصے کہانی کی کتابیں بھی طور پر پڑھنے کو دی جائیں تو مناسب ہوگا۔ غیر درسی مطالعے کے ذریعے تیزی سے پڑھنے کی عادت پیدا ہوگی اور طویل فقروں کے مفہوم کو بیک نظر سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور اس کی مشق کے بھی مواقع حاصل ہوں گے۔

بولنا اور لکھنا:

دوم جماعت کے نصاب کا اعادہ کرایا جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ بچوں کی لسانی عادتوں اور مہارتوں کی توسیع بھی کرائی جائے گی اس منزل پر بولنے کی مشق کراتے وقت گفتگو کے نقائص کی بھی شناخت کی جائے گی اور ان کی اصلاح کے لیے مناسب اور موزوں مشقیں فراہم کی جائیں گی تاکہ طالب علم صرف بے جھجک اپنے خیالات کا صاف طور پر اظہار کر سکیں بلکہ اپنی گفتگو کو شستہ بنانے کی بھی کوششیں کریں۔

تحریری نشو و نما کا دائرۂ عمل اس منزل پر کس قدر وسیع ہو جاتا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ جماعت دوم کے تحریری کام کی مشق کے علاوہ طلبہ میں اس طرح کی صلاحیت پیدا کرائی جا سکے کہ وہ خوش خط اور مناسب رفتار سے نقل اور املا لکھ سکیں۔ اس منزل پر خط لکھنے کی بھی شدبد پیدا کی جا سکتی ہے۔ خط کے مختلف حصوں سے انھیں واقف کرایا جا سکتا ہے اور ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک آسان سا خط نقل کر سکیں اور خط کے الفاظِ خطاب، اصل مضمون اور راقم کا نام اور اپنا نام صحیح اور صاف لکھ سکیں۔

مندرجہ بالا مہارتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ طلبہ میں تحریر سے متعلق درج ذیل عام عادتیں اور رجحانات پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ لکھتے وقت جملے کے اختتام پر (۔) اور سوالیہ جملوں کے آخر میں سوالیہ نشان (؟) لگانا سیکھ جائیں۔ اسی طرح تاریخ لکھنے کے بعد مثلاً

www.urduchannel.in

۱۲، ۲۲، اور ۲۵ اپریل کے بعد سنہ ۸۵ء لکھنا یا جو بھی سنہ آئے لکھنا سیکھ جائیں۔

عام طور پر بچوں میں حاشیہ چھوڑ کر لکھنے کی عادت نہیں پیدا ہوتی لہذا حاشیے چھوڑ کر لکھوانے سے اس کی عادت پیدا ہو سکتی ہے۔

جماعت چہارم:

پڑھنا:

درجہ سوم کی پڑھائی کے کام کی مشق کے دوران اوقاف کی اہمیت، تفہیم کے لیے پورے فقرے پر نظر کا دوڑنا اور روانی کے ساتھ پڑھنے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جائے گا۔ درجہ سوم میں باآواز بلند مطالعے کے ساتھ ساتھ مطالعۂ زیر لب تجویز کیا گیا تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ یہ باآواز بلند مطالعے اور خاموش مطالعے کی درمیانی کڑی ہے۔ لہذا اس منزل پر خاموش مطالعے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جائے گا۔ خاموش مطالعے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کے مطالعے کی رفتار میں اضافہ ہوا اور تفہیم کا عمل سہل ہو جائے۔ پڑھنے کی رفتار اور تفہیم میں گہرا رشتہ ہے۔ لہذا اس منزل پر باآواز بلند مطالعے کے ساتھ ساتھ طلبہ میں خاموش مطالعے کی عادت پیدا کی جائے گی تاکہ طلبہ تیزی کے ساتھ پڑھنا سیکھ جائیں، پڑھی ہوئی چیزوں کو یاد رکھ سکیں اور تفہیم کے سوالات کے جواب دے سکیں۔

پڑھائی کے ذریعے اس منزل پر مندرجہ ذیل صلاحیتیں پیدا کی جا سکتی ہیں:

طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں توسیع کرائی جائے گی، وضاحت اور صراحت کے ساتھ اور باآواز بلند پڑھنے کی صلاحیت پیدا کی جائے گی۔ باآواز بلند پڑھتے وقت اس بات پر بھی زور دیا جائے گا کہ مزاحیہ اور المیہ تحریروں سے اثر لے سکیں اور باآواز پڑھتے وقت ان اثرات کو دوسروں تک منتقل کر سکیں اسی طرح نظمیں پڑھتے وقت اوزان بحر اور ترنم کا خیال رکھیں۔ نظم کو نظم کی طرح پڑھنے پر توجہ دی جائے گی۔ نثری عبارت پڑھتے وقت عبارت کے تقاضوں کا خیال رکھا جائے گا۔

درجہ چہارم تک پہنچتے پہنچتے طلبہ میں پڑھائی کی ایسی مہارت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آزادانہ مطالعۂ کتب کر سکیں اور اپنی پسند کی کتابوں کا انتخاب کر سکیں۔ لہذا ان کے لیے وسیع پیمانہ پر غیر درسی مطالعے کی تمام سہولتیں فراہم کرنا ضروری ہے۔ مدرسے کا کتب خانہ اس سلسلے میں بہت

www.urduchannel.in

اہم خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اُستادِ جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے طالب علموں میں غیر درسی مطالعے سے اس طرح دلچسپی پیدا کرادیں کہ طالب علم اپنی پسند کی کتابیں کتب خانے سے نکال کر پڑھنے کی عادت ڈال لیں۔

عام عادتوں اور رجحانات کی توسیع کے لیے پڑھائی کے دوران بہت سے مواقع فراہم ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا طلبہ میں یہ عادت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ درسی کتاب کے علاوہ غیر درسی کتاب بھی سہولیت کے ساتھ پڑھ کر مطلب اخذ کر سکیں۔ گویا نجی مطالعے سے اپنے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کر سکیں فہرستِ مضامین اور انڈکس کے ذریعے اپنی ضرورت کے مطابق کتابوں سے مواد فراہم کر سکیں۔

بولنا اور لکھنا:

اس منزل پر پہنچ کر طالب علم میں یہ صلاحیت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ کسی بات کو توجہ اور غور سے سُن سکے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے کہانیاں، نظمیں اور دیگر پروگرام سن کر لطف اندوز ہو سکے اور سنی ہوئی باتوں سے متعلق سوال و جواب کر سکے۔

اسی طرح بولنے کی صلاحیت کو نکھارنے کے لیے بھی یہ منزل بہت اہم ہے اس لیے کہ اس منزل تک پہنچتے پہنچتے طالب علم میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مشاہدات کو صفائی کے ساتھ ترتیب کے ساتھ اور مربوط طریقے پر بیان کر سکے، مدرسے کے تمام اجتماعی پروگرام میں عملی طور پر حصّہ لے سکے اور جلسوں میں شریک ہو کر کہانیاں، قصّے اور نظمیں سُنا سکے اور اپنی پسند کی نظمیں یاد کر سکے۔

تحریری نشوونما کے لیے بھی یہ منزل بہت اہم ہے اس لیے کہ اس منزل پر طالب علم کو تحریر کی بنیادی مہارتوں پر قدرت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا جماعت سوم کے تحریری مشاغل کا اعادہ کرتے وقت تحریری مہارتوں میں زیادہ پختگی پیدا کرائی جائے گی۔

نقل نویسی کے کام میں خوش نویسی کے پہلو پر زور دیا جائے گا تاکہ طالب علم کو خوش خطی کی طرف مائل کیا جا سکے۔

اسی طرح درسی کتاب سے املا نویسی کا کام جاری رہے گا۔ املا نویسی کے درمیان، سماعت یادداشت اور رفتار کے ساتھ، صفائی اور صحت کے ساتھ لکھنے کی مشق کرائی جائے گی۔ سکون، اوقاف کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

www.urduchannel.in

اس جماعت میں انشا کے کام میں کافی تنوع کی گنجایش ہوتی ہے اور یہ صحیح معنوں میں اسی جماعت سے تحریری کام میں انشا کا رنگ آجانا چاہیے۔ اس منزل پر پہنچ کو خطوط نویسی، درخواست نویسی اور ہلکے پھلکے بیانیہ مضامین لکھوانے کی مشق کرانی چاہیے۔

خطوط نویسی کے دوران طالب علم میں اس بات کی مہارت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ خطوط کے مختلف حصوں کی مناسب تقسیم کر سکے، القاب سے متعلق فرق مراتب کو پہچان سکے، نجی اور دستاویز خط لکھ سکے۔ نجی خط میں مقررہ بندھے ٹکے رسمی فقروں سے احتراز کرے نیز تمہید (ابتدا) نفس مضمون اور اختتام کا خیال رکھے۔ تاریخ اور سنہ عیسوی صاف صاف مناسب جگہ پر مناسب فصل کے ساتھ لکھ سکے اور سرخط میں صحیح پتا لکھ سکے۔

اسی طرح اطلاعات، اعلانات اور اشتہارات وغیرہ لکھنے کی بھی مشق اور مختلف قسم کے نقشوں کی خانہ پری کرائی جا سکتی ہے جیسے اپنے متعلق معلومات مثلاً قد، وزن، پیدائش کی تاریخ اور مدرسے میں داخلے کی تاریخ اور اپنے مدرسے کے کتب خانے سے کتاب نکلوانے کے بعد مصنف کا نام اور ناشر کا صحیح نام لکھ سکنا وغیرہ۔

تولد سے تحریری کام کو ربط دے کر اسم کی شناخت اور اس کی اقسام، ضمیر و صفت کی شناخت، فعلیہ جملوں کی شناخت اور فاعل اور مفعول کی شناخت بھی کرائی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مترادف اور متضاد الفاظ بھی لکھوائے جا سکتے ہیں۔ اسی منزل کے اختتام پر طالب علموں میں تحریری کام کرتے وقت یہ عادت پیدا کی جا سکتی ہے کہ وہ جملے کے اختتام پر (۔) اور واوین لگانے کی عادت پیدا کر سکیں۔ اسی طرح ان میں اس بات کی عادت پیدا ہو جانی چاہیے کہ وہ سرخی، ذیلی سرخی، پیرابندی وغیرہ کی بھی پابندی سیکھ جائیں۔

درجۂ پنجم:

پڑھنا:

درجۂ چہارم تک کی پڑھائی کی مہارتوں کا اعادہ کرایا جائے گا اور مندرجہ ذیل مہارتوں کو سیکھے گا۔

طلبہ میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرانا کہ وہ الفاظ اور محاوروں کا مطلب اُن کے استعمال

www.urduchannel.in

کے مطابق سمجھ سکیں۔ زیرِ مطالعہ مواد سے مرکزی خیال اخذ کر سکیں اور بچوں کے ادب سے لطف اندوز ہو سکیں۔ اس کے علاوہ مختلف اصنافِ سخن سے بھی سرسری واقفیت حاصل کر سکیں۔ جیسے کہانی، ڈراما اور مضمون وغیرہ۔

بولنا اور لکھنا:

درجہ چہارم کی تقریری مہارتوں کا اعادہ کرایا جائے گا۔ طلبہ کی تقریری مہارتوں میں توسیع پیدا کرائی جائے گی۔ اس منزل پر طلبہ میں خاص طور سے صلاحیت پیدا کی جائے گی کہ وہ کسی اہم واقعہ کو پُراثر انداز میں بیان کر سکیں، اپنے مذاق کے مطابق نظموں کا انتخاب کر سکیں اور ان کو اچھے انداز سے پڑھ کر سنا سکیں۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے نظم خوانی کے مقابلے، کہانی سنانے کے مقابلے، بیت بازی اور تقریری مقابلے کرائے جا سکتے ہیں۔

تحریری نشوونما کے لیے مندرجہ ذیل مشاغل اپنائے جا سکتے ہیں:

مختصر اور نجی کاروباری خط لکھوائے جا سکتے ہیں۔ کسی کھوئی ہوئی چیز کا اعلان یا جلسے کی رپورٹ بھی لکھوائی جا سکتی ہے اور بیانیہ مضمون بھی لکھوائے جا سکتے ہیں۔

اس منزل پر تحریری کام میں طلبہ کی تخلیقی صلاحیت پر زور دینا چاہیے اور ایسے موضوعات پر تحریری اظہار کرانا چاہیے جن میں ندرتِ بیان کا امکان ہو۔

قواعد کے کام میں درجہ چہارم کے کام کا اعادہ کرایا جائے گا اور عملی قواعد کے پیشِ نظر پڑھے ہوئے اسباق سے مندرجہ ذیل باتیں لکھوائی جائیں گی۔

اسم کی اقسام، جنس اور صیغہ

ضمیر کی اقسام، صفت اور موصوف

فعل کی حالتیں (حال، ماضی، مستقبل)

ان کے علاوہ اوقاف اور اعراب پر بھی توجہ دے جائے گی۔

www.urduchannel.in

۹۔ سماعت اور گفتگو

گھر ہو یا مدرسہ ہر جگہ بچہ کچھ سنتا رہتا ہے اور سننے کا یہ عمل شب و روز جاری رہتا ہے چونکہ سننے سے بولنے اور سمجھنے کا گہرا تعلق ہے اس لیے زبان کی تعلیم میں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا مدرسے کے پروگرام میں سننے کی باقاعدہ تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سننے کا عمل ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے بولنے والے کے احساسات، جذبات اور خیالات کی ترسیل ہوتی ہے۔ عام زندگی میں سننے کا عمل ایک انفعالی کیفیت کا نام ہے لیکن اگر کسی خاص مقصد کے پیش نظر یک سوئی کے ساتھ سنا جائے تو یہ ایک فعال عمل ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی خاص مقصد کے پیش نظر مواد فراہم کرنے کے لیے ریڈیو سنا جا سکتا ہے یا ٹیلی ویژن کے ذریعے مطلوبہ معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ کبھی کبھار محض لطف اٹھانے کے لیے سماعت کا پروگرام بنایا جا سکتا ہے۔ بچوں کو ریڈیو سے کوئی کہانی سنائی جا سکتی ہے یا دادی یا نانی اماں سے کوئی کہانی سنی جا سکتی ہے۔ بچے عام طور پر یہ کہانیاں شوق سے سنتے ہیں۔

غرض سماعت ایک ایسا عمل ہے جس سے ہر بچے کو ہر وقت سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ہر اس جگہ اس کا عمل دخل ہوتا ہے جہاں لسانی تجربہ شروع ہوتا ہے۔ مدرسے تک رسائی حاصل ہونے سے قبل ہی بچہ کسی قدر سماعت کی تربیت حاصل کر لیتا ہے۔ سماعت سے متعلق بچے کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دقفۂ سماعت بہت تھوڑا ہوتا ہے وہ بہت دیر تک کسی بات کو سننے پر اپنی توجہ مرکوز نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بچوں سے جب کوئی بات کہی جائے یا انھیں کلاس میں کچھ ہدایتیں دی جائیں تو یہ اطمینان کر لیا جائے کہ کلاس میں مکمل خاموشی ہے۔

www.urduchannel.in

ہدایت دیتے وقت یا بات چیت کرتے وقت استاد یا استانی کو چاہیے کہ صاف اور موثر ڈھنگ سے گفتگو کرے، تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر بولے اور لب و لہجے کا خاص طور سے خیال رکھے تاکہ بچے سماعت کی جانب راغب ہوں اور بہتر سماعت کی عادت پیدا کر سکیں۔

سماعت کی بہتر تربیت کے لیے بعض دلچسپ کھیل کھلائے جا سکتے ہیں اور بچوں کی عمر اور ان کی دلچسپیوں کے لحاظ سے ایسے مشاغل شروع کرائے جا سکتے ہیں جن میں بچے خود شرکت کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے یہ مشاغل تجویز کیے جا سکتے ہیں۔

مختلف نوعیت کی آوازیں سنانا:

بچوں میں سماعی تربیت کے لیے مختلف نوعیت کی آوازیں سنائی جا سکتی ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کھٹکھٹانے کی آواز:

گرد و پیش کی مختلف اشیاء پر کھٹکھٹانے کی آواز سنائی جا سکتی ہے اور اس کی شناخت کرائی جا سکتی ہے۔ لکڑی پر کھٹکھٹانے کی آواز، ٹن پر کھٹکھٹانے کی آواز سے مختلف ہوتی ہے۔ اس طرح ٹھوس سطح اور کھوکھلی سطح پر کھٹکھٹانے کی آواز کی شناخت کرائی جا سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ لوہے شیشے اور پلاسٹک کے سامان اس مقصد کے لیے کلاس میں فراہم کیے جا سکتے ہیں

۲۔ مختصر اور طویل آوازیں:

پانی کا نل کھولنے پر جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کی شناخت کرائی جا سکتی ہے اسی طرح گھڑی کی ٹک ٹک سنا کر آوازوں کی شناخت کرائی جا سکتی ہے۔

۳۔ بولنے کی آوازیں:

بچے مختلف جانوروں کے نقلی چہرے اپنے منہ پر لگا کر بولیں۔ اس طرح جانوروں کی بولیوں کی شناخت کرانے کی تربیت دی جا سکتی ہے۔

۴۔ اڑنے اور دوڑنے کی آوازیں:

www.urduchannel.in

ہوائی جہاز کی آواز، اڑتی چڑیوں کی آواز، دوڑتے ہوئے کتے کی آواز، اسکوٹر، موٹر سائیکل اور موٹر کی آوازوں میں امتیاز کرایا جا سکتا ہے۔

گفتگو سیکھنے کا عمل اس بات پر منحصر ہے کہ بچہ کس حد تک سماعتی تربیت حاصل کر چکا ہے۔ وہ خود اپنی آواز سنتا ہے اور گھر کے لوگوں کی بھی آوازیں سنتا ہے۔ وہ بازار اور گلی کوچوں میں مختلف قسم کی آوازیں سنتا رہتا ہے۔ وہ بول کر اپنی مختلف حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور اپنی خواہشات کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح بولنے اور سننے کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور بچہ اسی عمل کے دوران بہتر بولنے کی تربیت حاصل کرتا رہتا ہے۔

بچہ جب گفتگو کا آغاز کرتا ہے تو اس کے سامنے وہ مقاصد نہیں ہوتے جو بالغوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ مدرسے میں داخل ہونے سے قبل وہ بولنے کی ایسی مہارت پیدا کر لیتا ہے کہ اپنی بات کو صفائی کے ساتھ کہہ سکے اور کبھی کبھی وہ ایسی بھی گفتگو کرتا ہے جس کے تحت وہ خیالوں کی ایک دنیا آباد کر لیتا ہے اور خود سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ لیکن مدرسے کے منزل پر جن مخصوص صلاحیتوں اور مہارتوں پر زور دینے کی ضرورت ہوتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تقریری آوازوں کی صحیح صحیح ادائگی۔
۲۔ تقریری الفاظ کی صحیح صحیح ادائگی۔
۳۔ تقریری الفاظ کا صحیح صحیح تلفظ
۴۔ آوازوں پر قابو، آہنگ، لہجہ، اتار اور چڑھاؤ۔
۵۔ بولنے میں فطری انداز۔

تقریری انشاء

سماعت اور گفتگو دونوں تقریری انشاء کے اہم عنصر ہیں اس لیے مدرسے کے اندر ان کی بہتر تربیت کا انتظام ضروری ہے۔ تقریری انشاء کی نشو و نما کے لیے درج ذیل مشاغل تجویز کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ بات چیت یا گفتگو:

تقریری انشاء کی نشو و نما کے لیے بات چیت یا گفتگو بہت ضروری ہے۔ عام طور پر مدرسوں

www.urduchannel.in

میں اس کے لیے علاحدہ سے گھنٹے نہیں ہوتے لیکن ابتدائی درجات میں اگر گفتگو کے لیے بھی ایک گھنٹہ الگ سے فراہم کیا جائے تو بہت مفید ثابت ہوگا۔

مدرسے میں تقریری نشوونما کرانے کی غرض سے بات چیت بالکل قدرتی اور فطری ڈھنگ سے ہونی چاہیے۔ گھر، گانو، قصبہ یا شہر کے حالات، واقعات اور اشیاء سے متعلق گفتگو ہونی چاہیے اور اس ڈھنگ سے ہونی چاہیے کہ طالب علم بغیر کسی جھجھک کے اپنے مشاہدات بیان کر سکیں۔ طالب علم جب اپنے مشاہدات بیان کر رہے ہوں تو اس وقت کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی صحتِ زبان کے اصولوں کے تحت کسی قسم کی روک ٹوک ہونی چاہیے۔ بس بولنے کی مکمل آزادی ہو جس طرح وہ چاہیں اظہارِ خیال کریں۔

اس غیر رسمی گفتگو کے بہت سے موضوعات ہو سکتے ہیں۔ بچوں کے روزانہ مشاہدے اور تجربے میں آنے والی اشیاء سے متعلق موضوعات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ گانو کی پگڈنڈی، ہرے بھرے کھیت، قصباتی اور شہری زندگی کے مظاہر جن سے بچے کا واسطہ پڑتا ہے، غیر رسمی گفتگو کے موضوعات ہو سکتے ہیں۔

۲۔ فرضی کھیلوں سے متعلق گفتگو:

پہلی جماعت کے بچوں میں مخصوصیت کے ساتھ فرضی کھیلوں کو بات چیت کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ بچے کسی کھیل کے متعلق بات چیت کرنے کے مقابلے میں اس کھیل کو کھیلنا زیادہ پسند کرتے ہیں لہٰذا کھیل کے بعد یہ گفتگو کی جائے تو زیادہ دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔

۳۔ کہانی سنانا:

کہانی سننے اور سنانے کا مشغلہ چونکہ بچوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے اس لیے اس کو تقریری نشوونما کا ایک موثر ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ کہانی سننے، سنانے کی کئی منزلیں ہیں۔ عمر اور جماعت کے لحاظ سے ان کا انتخاب کرنا چاہیے۔ پہلی جماعت کے بچوں کو پوری کہانی سنانا ایک مشکل امر ہے۔ اس لیے تصویروں کے ذریعے کہانی مکمل کرانی چاہیے، یعنی کہانی کے مختلف واقعات یا مناظر کی تصویریں دکھائی جا سکتی ہیں اور بچوں سے کہا جا سکتا ہے کہ ان تصویروں کے ذریعے کہانی بنائیں۔

www.urduchannel.in

ٹیلی ویژن سے بھی کبھی کبھار ایسے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں جن میں تصویروں کے ذریعے کہانی مکمل کرائی جاتی ہے۔

دوسری منزل یہ ہے کہ استاد کہانی کے پس منظر میں کوئی جملہ بولے اور طالب علموں سے کہا جائے کہ وہ اگلا جملہ خود بولیں۔ اس طرح کہانی بڑھتی جاتی ہے اور کہانی میں نئے نئے موڑ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس طریقے میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ طلبہ کو تخلیقی اظہار کا بھی پورا موقع ملتا ہے۔

تیسری منزل پر بچوں کو کہانی کا خاکہ دے دیا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس خاکے کو الفاظ سے پُر کریں۔ جس طرح تصویروں کے خاکے میں رنگ بھروائے جاتے ہیں اسی طرح کہانی کے خاکے کو لفظوں سے پُر کرایا جاتا ہے اور کہانی کی نشوونما ہوتی جاتی ہے۔

چوتھی منزل اور بھی دلچسپ ہے یعنی کہانی سناتے سناتے بیچ میں رُک جائیں اور طالب علموں سے پوچھیں۔ اچھا بتائیے پھر کیا ہوا؟ اس طرح کہانی میں نئی نئی شاخیں پھوٹتی ہیں یہ تمام باتیں اس اعتبار سے مفید ہوتی ہیں کہ ان کے ذریعے بچوں کے تخیل کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے۔ مدرسے کی پرائمری سطح پر کہانیوں کا انتخاب کرتے وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس منزل پر عام طور سے پانچ اور چھے سال کی عمر کے بچے مدرسے میں داخل ہوتے ہیں اور تقریباً دس سال کی عمر تک مدرسے میں رہتے ہیں۔ عمر کا یہ دور تخیلی دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں بچہ اُن کہانیوں میں دلچسپی نہیں لیتا جن میں حقیقی اظہار بیان ہو۔ وہ اب معلوم دُنیا سے نکل کر افسانہ و افسوں کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور تخیل کی دنیا آباد کرنا چاہتا ہے۔ وہ اب اس پُراسرار دنیا سے واقف ہونا چاہتا ہے جہاں ابھی تک اُس کی رسائی نہیں ہو پائی ہے۔ اس کی حقیقی دنیا جس میں وہ چلتا پھرتا ہے اب تنگ نظر آتی ہے۔ اس کی طبیعت کو کچھ اور وسعت درکار ہوتی ہیں۔ گرد و پیش کی ہر چیز اس کو معمولی نظر آتی ہے اور اب وہ ایسی دنیا میں قدم رکھنا چاہتا ہے جس کا ہر ذرّہ آفتاب و ماہتاب ہو۔ جہاں انسانوں کے پر لگ جاتے ہوں اور جہاں دودھ کی نہریں بہتی ہوں۔ غرض وہ ایسی دنیا کا خواب دیکھنے لگتا ہے جس کی ہر شے سنہری ہو، خوبصورت اور چونکا دینے والی ہو، محیّر العقل ہو چاہے وہ کوہ قاف کی پریاں ہوں، چاہے ماؤزندران کے دیو ہوں، چاہے بالشتے ہوں چاہے سینگ برادر انسان۔ غرض ایسے قصّے ہوں

www.urduchannel.in

جو اُسے حیرت میں ڈال دیں۔ ایسے افسانوں کو پڑھ کر اُس عمر کا بچہ کافی مسرور نظر آتا ہے۔ ویسے قصّوں سے محظوظ ہوتا ہے جو دور دراز کے ممالک کے انسانوں، جانوروں، پرندوں اور پودوں کے متعلق ہوں جن کی ہستی اُن کی تخیل کی دنیا میں ایک قسم کی پُراسراریت پیدا کر دے۔ چاہے وہ آسٹریلیا کے کنگارو ہوں یا سائبیریا کے رینڈیر اور ہمالہ کے راج ہنس۔ سب کے سب اس کے لیے معمّا ہوتے ہیں، سب کے سب اس کے لیے عجوبہ ہوتے ہیں اور ان سب کے متعلق وہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔

پرائمری درجات میں اساتذہ کو جن بچّوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ عام طور پر تخیلی دور میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں لہٰذا اساتذہ بچّوں کے لیے ایسی کہانیوں اور قصّوں کا انتخاب کریں جن میں تخیل کی پرواز کے کافی مواقع ہوں۔ ایسی ہی کہانیوں سے اس عمر کے بچّوں کو دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کے ذریعے معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اُن کے اخلاق کی بھی تربیت ہوتی ہے۔

پرائمری درجات کے آخری دو برسوں میں بچّہ تخیل کی دنیا سے باہر نکل آتا ہے اور بہادری، جُرأت نیز مہم جوئی کے کارناموں میں اُس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ یہ دور مخاطرات کا دور کہلاتا ہے اور اس دور میں بچّوں کو ایسی کہانیاں پسند آتی ہیں جن میں شجاعت کے معرکے سر کیے گئے ہوں۔ بھیم اور ارجن کی شجاعت اکبر اور شیر شاہ کی بہادری، رستم و سہراب کی جواں مردی، محبانِ وطن کی سرفروشی اور رہبرانِ قوم کے ایثار و قربانی کی داستانیں زیادہ پسند آتی ہیں۔

درج بالا ملحوظات کے پیشِ نظر پرائمری درجات کے لیے قصّہ گوئی کی تعلیم بے حد اہمیت رکھتی ہے لہٰذا قصّہ کہانیوں کے انتخاب میں احتیاط برتنی چاہیے۔ بعض اربابِ فکر پریوں اور دیوؤں کے قصّے کو بچّوں کے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ لہٰذا وہ ان قصّوں کو نصاب میں داخل کرنے پر معترض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ابتدا میں ہمارے ابا و اجداد کی کوشش تھی کہ مظاہرِ قدرت کی توجیہہ پیش کریں چنانچہ اس کے لیے انھیں مافوق الفطرت قصّوں کا سہارا لینا پڑا لہٰذا موجودہ نسل کے بچّوں کو ایسے قصّے سنانے مناسب نہیں۔

مندرجہ بالا مباحث کے پیشِ نظر ابتدائی درجات میں سماعت اور گفتگو کی مناسب ترتیب کا انتظام ضروری ہے۔ گفتگو کی نشو و نما سے پڑھائی اور لکھائی دونوں کاموں میں

www.urduchannel.in

سہولیت ہوتی ہے اور بچے میں ذکاوت پیدا ہوتی ہے۔

گویائی کے نقائص:

بچہ جب مدرسے میں داخل ہوتا ہے تو مدرسے کا ماحول اس کے لیے اجنبی ہوتا ہے اور اُس اجنبی ماحول میں قدرتی طور پر اس کو بولنے میں جھجک ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ مدرسے کا لسانی ماحول گھر کے لسانی ماحول سے کسی قدر مختلف ہوتا ہے زبان اور ماحول کا یہ فرق بچے کو ایک نئی الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے فطری اظہار میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے اُس کی گویائی میں بعض نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن گویائی کے بعض نقائص مدرسے میں قدم رکھنے سے قبل ہی رونما ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے استاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان نقائص سے کما حقہ واقف ہو اور ان نقائص کی اصلاح کے طور طریقے بھی جانتا ہو۔

ابتدائی سطح پر چونکہ مدرسے کی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو صاف اور شستہ بولنا سکھایا جائے اس لیے زبان کی تدریس کے پروگرام میں اس کو ایک مرکزی حیثیت دینی چاہیے اور مدرسے میں ایسا ماحول پیدا کرانا چاہیے جس میں بچے فطری طور پر اظہار خیال کر سکیں اور اپنے مافی الضمیر کو سادگی اور صفائی کے ساتھ بیان کر سکیں۔ لہٰذا اُستاد کو گویائی کے نقائص کی اصلاح کے دوران بہت محتاط رہنا چاہیے اور یہ پہلو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ بچوں کے فطری اظہار میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

گویائی کے نقائص عام طور پر دو اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ایک تو جسمانی نقص کی وجہ سے اور دوسرے لسانی اور جذباتی اسباب کی بنا پر بعض نقائص میں دونوں ہی عوامل کارفرما رہتے ہیں۔ ذیل میں ان نقائص کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی صورتیں بھی تجویز کی جاتی ہیں:

۱۔ غلط تلفظ ادا کرنا:

بچوں کو بعض حروف کی ادائگی میں دشواری ہوتی ہے مثلاً س، ش، ج، ز، ف، ق کی آوازیں ٹھیک سے نہیں ادا ہو پاتیں۔ جیسے 'شعور' کو بچہ 'سور' کہتا ہے یا 'شیشہ' کو 'سیسہ' کہتا ہے اسی طرح 'فوج' کو 'پھوج' کہتا ہے اس کا ایک سبب تو یہ ہوتا ہے کہ دانتوں میں ناہمواری

www.urduchannel.in

ہوتی ہے اور ہونٹ اور جبڑے کی بناوٹ میں نقص ہوتا ہے اس لیے بچہ بعض آوازوں کو ٹھیک سے ادا نہیں کر پاتا۔

بعض اوقات لسانی اسباب کی بنا پر اس قسم کا نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ساری زندگی باقی رہتا ہے۔ 'ڈاکٹر' کو 'جاکٹر' کہنے والے 'جہاز' کو 'زہاز' کہنے والے 'شاکر' کو 'ساکر' کہنے والے بچے انھیں اسباب کی وجہ سے حروف کی صحیح آوازیں نہیں ادا کر پاتے ہیں۔

لسانی اسباب کی بنا پر گویائی میں جو نقص پیدا ہو جاتا ہے اُس کی اصلاح کے لیے ماہرین نے کچھ مشقیں تجویز کی ہیں اور اساتذہ کو اس بات کا مشورہ دیا ہے کہ ان مشقوں سے گویائی کے نقائص کی اصلاح کی جا سکتی ہے یا مشقی جملے بار بار بچوں سے کہلوائے جا سکتے ہیں اور بچوں کو شستہ اور صاف بولنے کی تربیت دی جا سکتی ہے۔ ان مشقوں کو زبان توڑنے والی مشقیں بتلایا گیا ہے۔

تُتلانا:

غلط لاڈ پیار کے سبب بھی بعض بچوں کی گفتگو میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور وہ تُتلا کر بولنے لگتے ہیں۔ کوئی صاحب کسی کے گھر ملنے آئے۔ چھوٹی بچی باہر نکلی، دیکھا ایک صاحب کھڑے ہیں اندر جا کر کہا "امی ایک تھاب ملنے آئے ہیں۔" ماں نے بھی پیار میں یہی جملہ دہرایا اور ایک صاحب کے بجائے ایک تھاب اُس بچی کی زبان پر چڑھ گیا۔ اس کا سبب عام طور پر لاڈ پیار، شرمیلا پن اور اجنبی کے سامنے بولنے سے گھبرانا ہے۔ اس نقص کو بھی دور کرانے کے لیے اساتذہ کو چاہیے کہ ایسے بچوں کو زیادہ سے زیادہ اظہار کا موقع دیں اور بولنے میں ان کی ہمت افزائی کریں۔

ہکلانا:

ہکلانے کا نقص بھی بچوں میں عضویاتی اور سماجی اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ عضویاتی اسباب میں دانت اور جبڑے کی بناوٹ کا دخل ہوتا ہے۔ اگر استاد اپنی جماعت میں کسی بچے کو ہکلاتے ہوئے دیکھے تو سب سے پہلے اُس کے والدین کو مشورہ دینا چاہیے کہ اس بچے کو کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہکلانے کا سبب عضویاتی ہے تو علاج کے لیے ڈاکٹر

www.urduchannel.in

سے رجوع کرنا چاہیے۔

لیکن ہکلانے کا اسباب جذباتی اور سماجی بھی ہوتے ہیں۔ کبھی جذباتی الجھن ہکلانے کا باعث بنتی ہیں اور کبھی ناکامی، مایوسی اور تفکرات ہکلانے کا سبب بنتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ بچوں کو اظہار کا پورا موقع دیں اور بولتے وقت ان کی ہمت افزائی کریں۔

لسانی نامطابقت:

ماہرینِ لسانیات نے اس کو لسانی نامطابقت کا نام دیا ہے اور اسے گویائی کی ایک ایسی صورتِ حال سے تعبیر کیا ہے جس کو نارمل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح گویائی کا نقص دو اسباب سے پیدا ہوتا ہے، ایک سبب تو یہ ہے کہ دماغی نصف حصّے کے فعل میں مہارت نہیں پیدا ہو پاتی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض مخصوص آوازوں کی ادائگی کی مہارت ناقص رہ جاتی ہے۔ اس میں کسی نامیاتی نقص کا دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ایک طرح کی نامطابقت ہوتی ہے اس کا سبب عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ سر میں کوئی چوٹ آئی ہو یا کسی مرض کی وجہ سر میں زخم پیدا ہو گیا ہو ڈاکٹر ہنری ہیڈ نے زخمی فوجیوں میں اس طرح کی علامتیں دریافت کی ہیں اور ان کی چار قسمیں بتائی ہیں (لیونارڈ بلوم فیلڈ ۱۹۸۰)

پہلی قسم کے تحت اس نقص میں مبتلا ہونے والا شخص اشیاء کے نام کا تلفظ غلط ادا کرتا ہے اور کبھی کبھی اس حد تک انتشار میں مبتلا ہوتا ہے کہ سوالات کے جواب میں محض ہاں یا نہیں کہنے پر اکتفا کرتا ہے اور اس وقت تک صحیح تلفظ نہیں ادا کر پاتا جب تک کوئی دوسرا شخص بول کر نہ بتائے۔

دوسری قسم کا بولنے والا صاف بولتا ہے، تلفظ بھی صحیح ادا کرتا ہے، مختصر فقرے بولتا ہے لیکن فقروں کی ساخت ٹھیک نہیں ہوتی اور بعض صورتوں میں گفتگو کی صرفی ونحوی ترتیب میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم کے تحت اشیاء کے صحیح نام دریافت کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس میں تلفظ کی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی اور نہ ہی الفاظ کی ترتیب میں فرق ہوتا ہے۔ بس اشیا کے نام نہیں مل پاتے مثلاً قینچی کا لفظ اُس کو یاد نہیں آ پاتا اور وہ کہنے لگتا ہے "ارے بھائی وہ جس سے کپڑا کاٹتے ہیں"۔ کبھی کبھی اشیاء کا غلط نام لے بیٹھتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسے افراد بعض لوگوں

www.urduchannel.in

کے نام بھول جاتے ہیں۔

کبھی کبھی یہ صورتِ حال نارمل آدمیوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن نارمل اشخاص میں اس کا سبب جوش یا گھبراہٹ یا ذہنی تکان ہوتی ہے۔

چوتھی صورتِ حال کے تحت اس نقص گویائی میں مبتلا ہونے والا شخص کوئی مربوط جملہ نہیں کہہ پاتا۔ کبھی وہ مناسب لفظ کی تلاش میں ناکام رہتا ہے اور کبھی اشیا سامنے رہنے کے باوجود شناخت نہیں کر پاتا۔

دراصل تقریر یا گویائی ایک بہت پیچیدہ عمل ہے جس کے تحت ہر قسم کا ہیجان، منہ اور گلے کے بے حد تخصیصی عمل کا باعث بنتا ہے اور آلۂ نطق پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لیے سر کی کوئی بھی چوٹ گویائی میں انتشار پیدا کر سکتی ہے۔

وہ ہیجان جو گویائی پیدا کرتا ہے مختلف قسم کے ردِ عمل کا باعث ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض باہر سے نظر نہیں آتے۔ خاص طور سے عصبی اور غدود کار ردِ عمل۔ دوسرے قسم کے ردِ عمل یعنی حرکی ردِ عمل مثلاً کسی چیز کو ہاتھ میں لے کر کھیلنا اور تیسرے قسم کے ردِ عمل جو سامع کے لیے ہیجان کا کام کرتے ہیں، نارمل صورتِ حال کا مظہر ہوتے ہیں جن کے تحت بولنے والے کے چہرے کے اتار چڑھاؤ، آواز، لہجہ، آواز کے نشیب و فراز اور حرکات و سکنات بھی دکھائی دیتے ہیں۔

زبان کے استاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان رموز سے بھی کسی قدر آشنا ہو تاکہ بچوں میں گویائی کے نقص کی شناخت کر سکے اور اُن کی اصلاح بھی کر سکے۔

www.urduchannel.in

۱۰۔ پڑھنا

پڑھائی کا عمل:

پڑھنا ایک ایسا عمل ہے جس کے تحت لکھنے والے کے خیالات سے آگاہی پیدا کی جاتی ہے اور اس مواد کی تفہیم میں مدد ملتی ہے جو اس عبارت میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا پڑھنا لفظوں کو صرف زبان سے ادا کر دینے کا نام نہیں بلکہ یہ اموزش کا ایک پیچیدہ تجربہ ہے۔

پڑھائی کا عمل مقصود بالذات نہیں کہ اس کے ذریعے محض مہارت یا فن سکھایا جائے بلکہ اس کا مقصد زیادہ وسیع ہے۔ پڑھائی کے ذریعے بچوں کی معلومات میں اضافہ کیا جاتا ہے ان میں خود اعتمادی پیدا کی جاتی ہے اور اس بات کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے کہ وہ پیش آنے والے مسئلوں کو سہولت کے ساتھ حل کر سکیں۔

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ پڑھنا ایک معمولی اور آسان عمل ہے جس کے لیے کسی خاص جتن کی ضرورت نہیں۔ اس کے تحت محض حروف کی آوازوں کو سیکھ لیا جاتا ہے، انھیں پڑھ کر ادا کر دیا جاتا ہے اور لفظوں اور جملوں میں ان کی تکرار کر دی جاتی ہے۔ لیکن یہ تصور صحیح نہیں بلکہ یہ ایک پیچیدہ عمل ہے جس کے بارے میں ماہرین لسانیات، ماہرین نفسیات اور ماہرین عضویات نے پوری تحقیق کی ہے اور تحقیق کی بنیاد پر اپنے نظریات پیش کیے۔ ان ماہرین نے ایسی تکنیکی معلومات فراہم کی ہیں جن سے اس پیچیدہ عمل کی عقدہ کشائی میں مدد ملتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ذکر نام ولیم۔ ایس۔ گرے کا ہے۔ موصوف نے تمام عمر پڑھائی کی باریکیوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں صرف کر دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پڑھائی کے

www.urduchannel.in

عمل کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ بچّے کے سامنے ایک کتاب رکھی ہے جس کے صفحات پر کچھ لفظ اور جملے چھپے ہوئے ہیں اور بچّے سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ چھپے ہوئے اُن لفظوں کو پڑھے گا۔ بچّہ پڑھنا شروع کرتا ہے۔ اُس کی آنکھیں چھپے ہوئے الفاظ کو دیکھتی ہیں۔ اردو میں چھپائی چونکہ دائیں سے بائیں جانب ہوتی ہے اور نظر مختلف مقامات پر ٹھہرتی جاتی ہے اس طرح ایک ایسا ارتسامی عمل وقوع پذیر ہوتا ہے جس کے تحت دماغ تک پیغام رسانی ہوتی ہے۔ اس عمل میں تکرار اور مشق کا عمل برابر شامل رہتا ہے۔ اگر بچّے نے لفظ کو کئی بار دیکھا ہے تو لفظ اور صوت دونوں کا ابلاغ بیک وقت ہوتا جاتا ہے۔ اصطلاحی زبان میں اس کو بصارتی لفظ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ اگر پڑھنے والا نظر سے لفظ کی شناخت نہ کر پائے تو وہ بصارتی لفظ نہیں کہلائے گا۔ ایسی صورت میں استاد کو چاہیے کہ وہ طالب علم کو لفظ کی شناخت کے مختلف طریقے بتائے تاکہ پڑھنے والا خود لفظ کی شناخت کر سکے۔

پڑھنے والا جوں جوں جملے میں لفظ کی شناخت کرتا جاتا ہے جملے کے اختتام پر اخذ مفہوم کا کام سہل ہوتا جاتا ہے۔ پڑھتے وقت جوں جوں الفاظ کا اضافہ ہوتا جاتا ہے پورا جملہ پڑھنے کے بعد لفظ اور جملے کا رشتہ خود بخود واضح ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح جملے کے بعد جملہ پڑھتے وقت مفہوم میں توسیع ہوتی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جملے سے جملے جڑتے جاتے ہیں اور پارہ بندی ہوتی جاتی ہے۔ پڑھنے والا جملے کے اختتام پر خود فیصلہ کرتا ہے کہ جملے میں جو بات کہی گئی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ وہ پڑھنے والے کے تجربے سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ بات امر واقعہ پر مبنی ہے تو تجربے سے تطابق ہونا چاہیے اور اگر اس کا استعمال تمثیلی اور مجازی ہے تو اس صورت میں امر واقعہ سے مطابقت ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر یہ جملہ لے لیجیے: "مور کا پنکھ بہت خوبصورت ہوتا ہے" اس جملے کو پڑھتے وقت پڑھنے والے کا تجربہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور وہ بات کو سمجھ لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ جملہ اس طرح ہو۔ "اس میں کون سے سُرخاب کے پر لگے ہیں" تو اس جملے کو پڑھنے والا اپنے تجربے سے جب امر واقعہ کی مطابقت کرتا ہے تو اس کو ناکامی ہوتی ہے۔ یہاں یہ امر واقعہ نہیں جو تجربے کی کسوٹی پر پورا اترے بلکہ یہ ایک مجازی اور تمثیلی اظہار ہے اور الفاظ کے لغوی معنی سے ہٹ کر استعارے کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پڑھنے والا جملے کے اختتام پر محسوس کرتا ہے کہ ان

www.urduchannel.in

دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ البتہ جملہ پڑھنے کے بعد وہ ایک قسم کے جذباتی ردِ عمل سے دوچار ہوتا ہے اس لیے کہ جملے میں کسی معاملے سے متعلق کوئی رائے یا کوئی خیال پیش کیا گیا ہے۔ پڑھنے والے کو اس سے اتفاق ہو سکتا ہے یا اختلاف وہ جملے کی تلخی محسوس کر سکتا ہے یا جملے سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور پڑھنے والے کی ترقی کے ساتھ ساتھ پڑھائی کے مواد میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے اور افہام و تفہیم کی سطحیں بدلتی جاتی ہیں۔ گرے نے پڑھائی کے پورے عمل کی کئی منزلیں بتائی ہیں۔ جس سے تفہیم کے عمل میں وسعت ہوتی جاتی ہے۔ پہلی منزل ادراک کی منزل ہے جس میں پڑھتے وقت چھپے ہوئے الفاظ کو دیکھنا، پڑھنا اور صوت و معنی کی شناخت کا عمل شامل ہے۔ اس کے بعد سیاق و سباق کی منزل آتی ہے جس کے تحت جملے میں لفظ بہ لفظ شناخت کرنا اور پورے جملے کے سیاق و سباق میں مفہوم سمجھنا شامل ہوتا ہے۔ یہ کسی قدر پیچیدہ عمل ہے لیکن اس سے بھی پیچیدہ منزل وہ ہے جس میں طالب علم اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ اس منزل پر پڑھنے والا جملے کی بات کو اپنے مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ پھر اس کی صحت اور عدم صحت کا تعین کرتا ہے اور اگر اظہار مجازی ہے یا مصنف نے جملے یا عبارت میں کوئی رائے پیش کی ہے تو اس سے اتفاق یا اختلاف کے ذریعے اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ یہ تفہیم کی ترقی یافتہ شکل ہے جس کا حصول ثانوی اور اعلا ثانوی منزل پر ہی ممکن ہے۔

دراصل ابتدائی منزل کے اساتذہ کے لیے یہ ایک نہایت ہی اہم کام ہے بلکہ ایک قسم کا چیلنج ہے کہ کس طرح وہ اپنے طالب علموں کو پڑھائی کی جانب راغب کرائے اور پڑھائی کا شوق پیدا کراتے تاکہ طالب علم پڑھائی کے عمل میں مہارت حاصل کر سکے۔ کلاس میں استاد کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ پڑھائی کی مہارت پیدا کرنے میں اپنے شاگردوں کی مدد کرے۔

پڑھائی کی پس ماندگی:

پڑھائی کی اہمیت محض زبان کی تعلیم تک محدود نہیں بلکہ دیگر مضامین میں بھی اس کی اہمیت مسلّم ہے اس لیے اساتذہ کو عام طور پر اور ابتدائی مدارس کے استادوں کو خاص طور سے اس بات کی شعوری کوشش کرنی چاہیے کہ اُن کے شاگرد پڑھائی کی بہتر صلاحیت

www.urduchannel.in

پیدا کر سکیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ پڑھائی میں بچے کمزور ہوتے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ بنیادی منزل پر یعنی پڑھائی سکھانے کی منزل پر اس کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر طالب علموں میں پڑھائی کی بنیادی مہارتیں پیدا نہیں ہو پاتیں۔ اس بات کے بھی شواہد موجود ہیں کہ طالب علم میں پڑھائی کی پس ماندگی اور اس کی شخصیت کی نشو و نما میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس بات کی بھی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ پڑھائی کی پس ماندگی، سماج دشمن کردار کی نشو و نما کا بھی سبب بنتی ہیں۔ بیشتر لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ پڑھائی کی ناکامی سے بھگوڑے پن کا بھی گہرا تعلق ہے۔ خاص طور سے ابتدائی منزل پر دیکھا گیا ہے کہ پڑھائی میں کمزور ہونے کی وجہ سے بچے مدرسے سے بھاگنے لگتے ہیں۔ اس بات سے تو عام طور پر اساتذہ واقف ہوں گے کہ ابتدائی مدارس میں فیل ہونے اور ایک ہی جماعت میں ایک برس سے زائد مدت گزارنے میں جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں ان میں پڑھائی کی کمزوری خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ درج ذیل سطور میں ان عوامل کا ترتیب وار ذکر کیا گیا ہے۔

انفرادی فرق:

پڑھائی کا آغاز کرتے وقت ہر بچہ ایک ہی جسمانی اور جذباتی کیفیت کا حامل نہیں ہوتا بلکہ ان کے اندر انفرادی فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر بچے کا سماجی پس منظر بھی مختلف ہوتا ہے۔ خاندان اور ماحول کا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح انفرادی اور ماحولی فرق کی وجہ سے ہر بچہ علاحدہ علاحدہ پڑھائی کی دشواریوں سے دوچار ہوتا ہے۔ لہٰذا پڑھنا سکھاتے وقت انفرادی فرق اور ماحول کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کوئی بچہ جلدی پڑھائی شروع کرتا ہے تو کوئی بعد میں۔ کوئی بچہ پڑھائی میں جی لگاتا ہے تو کوئی جی چراتا ہے، کسی کو پڑھائی میں لطف محسوس ہوتا ہے تو کسی کو اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔

جنس کا فرق:

جنس کی بنیاد پر بھی بچوں کی پڑھائی میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ لڑکیاں لڑکوں کے مقابلے میں جلدی پختگی حاصل کر لیتی ہیں اور بچوں کے مقابلے میں بچیاں پہلے بولنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ اپنے پورے بچپن کے زمانے میں

www.urduchannel.in

بچیاں زیادہ باتونی رہتی ہیں اس فن کے ماہرین نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں میں پڑھائی کی معذوری بہت کم نظر آتی ہے۔ مغربی ملکوں کے اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسے میں داخلے کے وقت لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیاں زیادہ پڑھائی پر آمادہ نظر آتی ہیں۔

ماحول کا فرق:

ماحول کا فرق دو اعتبار سے اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک تو سماجی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے اور دوسرے گھر اور مدرسے کے ماحول میں فرق کی وجہ سے پڑھائی کی کارکردگی پر بہت اثر پڑتا ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ سماجی اور اقتصادی اعتبار سے پس ماندہ طبقے میں پڑھائی کی کارکردگی بہت کم ہوتی ہے۔ اس طبقے کے بچوں کے پاس وہ وسائل نہیں ہوتے جو متوسط یا اعلا طبقے کے بچوں کو میسر آتے ہیں۔ متوسط اور اعلا طبقے کے بچوں کے مقابلے میں انھیں گھریلو سہولتیں بھی کم میسر آتی ہیں۔

ماحول کی اجنبیت بھی پڑھائی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ گھر اور مدرسے کے ماحول میں چونکہ بہت فرق ہوتا ہے اس لیے شروع شروع میں بچہ خود کو مدرسے کے اندر اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے۔ بچوں کی اجنبیت کو دور کرنے کے لیے گروہی مشاغل کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت بچے چھوٹے چھوٹے گروپ میں کھیلتے ہیں اور کھیل کے دوران ان کی اجنبیت دور ہو جاتی ہے۔ گروہی کھیلوں میں بچہ خود کو نئے سماجی ماحول سے ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ مل جل کر گانے، کہانیاں سنانے، تصویروں کے ذریعے کہانی سنانے اور گرد و پیش سے متعلق بات چیت کرنے سے بھی بچوں میں اظہارِ ذات کی صلاحیت اور خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

بچے کی صحت:

بچے کی صحت اگر خراب ہو تو بھی پڑھائی کی کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔ اگر بچے کی ناک میں تکلیف ہو یا تنفس میں دشواری محسوس ہوتی ہو یا عام صحت خراب ہو تو پڑھائی میں مشکل سے جی لگتا ہے۔ بچوں کی بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے بھی پڑھائی میں دقت پیدا ہوتی ہے اور

www.urduchannel.in

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پڑھائی سے گریز کرنے لگتا ہے۔ بعض مشاہدوں سے پتا چلتا ہے کہ بعض بچے عام طور پر پڑھائی میں کمزور ہوتے ہیں لیکن ابھی تک یہ بات متنازعہ فیہ ہے اور وثوق کے ساتھ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاہم عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض بچے پڑھائی میں دقت محسوس کرتے ہیں۔

پڑھائی کا آغاز:

پڑھائی کے سلسلے میں جو مطالعے ہوئے ہیں اُن سے پتا چلتا ہے کہ مدرسے کی منزل پر کسی بھی جماعت میں پڑھائی کی جن دشواریوں سے بچے کو سابقہ پڑتا ہے اس کا سراغ پہلی جماعت میں اس وقت لگایا جا سکتا ہے جب بچہ پڑھائی کی ابتدائی کوششوں میں مصروف ہوتا ہے۔ عام طور پر ابتدائی مدارس میں پانچ چھے برس کی عمر کے بچے پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں اور کم و بیش اسی وقت پڑھائی کا آغاز کرا دیا جاتا ہے۔ لیکن داخلے کی عمر میں فرق، پختگی کی رفتار میں فرق، انفرادی فرق اور ماحول کے فرق کی وجہ سے سیکھنے کی رفتار میں فرق ہوتا ہے۔ بعض بچے آغاز میں پڑھائی شروع کر دیتے ہیں اور بعض پس ماندہ رہ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو مطالعے ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اسکول میں داخلہ کے وقت طلبہ کی اچھی خاصی تعداد پڑھائی کی طرف توجہ نہیں کر پاتی۔ بعض ابتدائی مدارس میں دیکھا گیا ہے کہ بعض بچے گھر ہی سے پڑھائی کا آغاز کر کے آتے ہیں ایسے بچوں کو پڑھائی شروع کرنے میں سہولت ہوتی ہے اس لیے کہ وہ پڑھائی کے میکانکی عمل سے روشناس ہو چکے ہوتے ہیں۔

پڑھائی شروع کرانے کی صحیح عمر کیا ہو اس سے متعلق جو مطالعے ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ ذہنی جانچ کے نتائج اور پڑھائی میں کامیابی کے درمیان ربط پایا جاتا ہے اور پڑھائی شروع کرانے کی صحیح اور مناسب ذہنی عمر ساڑھے چھے سال ہوتی ہے۔ لہٰذا پڑھائی کے کام کو اس وقت تک موقوف رکھا جائے جب تک بچہ ساڑھے چھے سال کا نہ ہو جائے۔ تحقیقی مطالعوں سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ ساڑھے چھے برس سے کم ذہنی عمر کے بچے بھی کامیابی کے ساتھ پڑھائی کا آغاز کر لیتے ہیں بشرطیکہ استاد موجہ بوجھ سے کام لے اور پڑھائی کے کام کو دلچسپ بنا کر پیش کرے۔ نفسیات کے ایک ماہر اے۔ آئی۔ گیٹ نے پڑھائی کے سلسلے میں جس بات کو زیادہ اہمیت دی ہے وہ بچے کی ذہنی عمر نہیں ہے بلکہ وہ تعلیمی پروگرام ہے جو بچے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے

www.urduchannel.in

یعنی بچے کی عمر اگر ساڑھے چھے برس نہ ہو تو بھی اپنے تعلیمی پروگرام کی مدد سے استاد کامیابی کے ساتھ پڑھائی کا آغاز کر سکتا ہے۔

پڑھائی کی آمادگی:

پڑھائی کی آمادگی کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے تمام اسکول دوچار ہیں۔ اگر یہ دریافت کرنے کی کوئی صورت نکل آئے کہ داخلے کے وقت کتنے فی صد بچے پڑھائی کے لیے آمادہ ہوتے ہیں اور کتنے فی صد پڑھائی سے بیزار نظر آتے ہیں تو شاید اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی سبیل ڈھونڈی جا سکے۔ اس طرح اس بات کی جانکاری بھی مفید ثابت ہوتی کہ پڑھائی کے آغاز میں جسمانی، ذہنی اور جذباتی کیفیت کیا رہتی ہے۔ ان سب باتوں کا پتا لگانا ضروری ہے اور اس کے لیے تحقیقی مطالعے کی بہت ضرورت ہے تاکہ پڑھائی سے متعلق اساتذہ کی معقول رہنمائی کی جا سکے۔ والدین کو بھی پڑھائی سے متعلق ضروری باتوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ ان تمام نظری بحثوں سے قطع نظر عملی بات تو یہ ہے کہ مدرسے میں جب بچہ داخل ہو تو اس کو پڑھنا سکھایا جاتے اور اس میں پڑھائی سے متعلق ضروری مہارتیں پیدا کی جائیں۔

پہلی جماعت میں طلبہ کی پڑھائی کی آمادگی پیدا کرانے میں استاد جماعت کی بڑی ذمہ داری ہے۔ استاد کو چاہیے کہ اس کے لیے خصوصی طور پر پڑھائی کا پروگرام مرتب کرے۔ ایسے پروگرام جن کے تحت طالب علموں کو مدرسے کے ماحول سے مانوس کیا جا سکے۔ بچے کے گھر اور مدرسے کے ماحول میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا مدرسے کے ماحول کو اور خاص طور سے کلاس کے ماحول کو جس قدر گھر کے ماحول کے قریب لایا جا سکے اسی قدر بچہ کلاس سے مطابقت پیدا کر سکے گا۔ ہمارے گاؤں میں چونکہ نرسری اسکول نہیں ہوتے اور شہروں میں بھی یہ سہولت بہت تھوڑے سے طالب علموں تک محدود رہتی ہے اس لیے بچوں کو عام طور پر نرسری اسکول کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا چنانچہ ابتدا میں کلاس کے ماحول سے مطابقت پیدا کرانے میں اور بھی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

مدرسہ میں داخلہ لینے کے بعد ہر بچہ خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے، بات کرتے ہوئے گھبراتا ہے، استاد سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اس پر ایک طرح کی دہشت طاری رہتی ہے اور ہر وقت وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کب چھٹی ملے اور گھر کو بھاگے۔ ظاہر ہے یہ صورت حال پڑھائی کے لیے سازگار ماحول نہیں پیدا کر سکتی۔ پڑھائی چونکہ ایک پیچیدہ عمل ہے اس لیے اس پر بہت توجہ اور احتیاط کی

www.urduchannel.in

ضرورت ہے۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ پڑھائی شروع کرانے کے قبل پڑھائی کی تیاری کرلے۔

پڑھائی کی آمادگی اور پڑھائی کا شوق پیدا کرانے کے لیے درج ذیل مشاغل تجویز کیے گئے ہیں۔ ایک ہوشیار استاد ان مشاغل کا اہتمام کرکے اپنے طالب علموں میں پڑھائی کا شوق پیدا کرسکتا ہے۔

۱۔ چڑیوں کا مشاہدہ	۲۔ جانوروں کا مشاہدہ
۳۔ درختوں کا مشاہدہ	۴۔ دریا، میدان اور جنگل کا مشاہدہ
۵۔ باغبانی کرانا	۶۔ سبزی اُگانا
۷۔ سیر سپاٹا کرانا	۸۔ کھیل کود
۹۔ نقلیں کرانا	۱۰۔ ڈرامے کرانا

یہ اور اس طرح کے دیگر مشاغل بچوں کے لیے دلچسپ تجربے فراہم کرتے ہیں۔ تجربات کی یہ رنگارنگی اور دل کشی بچوں کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتی ہے اور ان کے تصورات میں صفائی پیدا کرتی ہے۔ ان مشاغل کے ذریعے پڑھائی کے دوران بچوں کے مبہم تصورات واضح ہوجاتے ہیں۔

www.urduchannel.in

۱۱۔ پڑھنا سکھانے کے طریقے

ترکیبی و تحلیلی طریقہ:

پڑھنا سکھانے کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ ان میں سے بعض قدیم اور روایتی ہیں اور بعض جدید۔ ہم ان طریقوں کو نوعیت کے اعتبار سے ترکیبی اور تحلیلی طریقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ترکیبی طریقے میں جُز سے کل کی جانب اور تحلیلی طریقے میں کُل سے جز کی جانب اقدام کرتے ہیں۔ دونوں طریقے دراصل پڑھائی کے ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو پڑھائی کے نفسیاتی عمل میں مضمر ہیں۔ اوّل الذکر طریقے کے تحت پڑھائی سکھانے کا آغاز اس طرح کرتے ہیں کہ پہلے حروف تہجی سکھاتے ہیں پھر حروف سے لفظ سازی کراتے ہیں۔ صوتی طریقہ اسی کے تحت آتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صوتی طریقے کے تحت حروف سکھانے کے بجائے حروف کی آوازیں سکھائی جاتی ہیں۔ اور اُن آوازوں کو ہی حروف شناسی کی بنیاد بنایا جاتا ہے ترکیبی طریقے میں زبان کے مختلف عناصر کو ترکیب دینے کا ذہنی عمل شامل ہے یعنی اس کے تحت حروف تہجی اور ارکان تہجی کی آوازوں کی شمولیت بڑی اکائی کی صورت یعنی لفظ، کلمے اور جملے میں ہوتی ہے۔ اس کے اندر جو نفسیاتی عمل مضمر ہے اس کی نوعیت ترکیبی ہے۔ اسی لیے اس کو ترکیبی طریقہ کہتے ہیں۔ آخر الذکر میں ان بڑی اکائیوں کی تحلیل عمل میں آتی ہے۔ اس طریقۂ عمل میں چونکہ بڑی اکائی یعنی جملہ، کلمہ اور لفظ کی چھوٹی اکائی یعنی جملے سے کلمہ، کلمہ سے لفظ اور لفظ سے حروف کی شناخت کرائی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو تحلیلی طریقہ کہتے ہیں۔

www.urduchannel.in

ترکیبی طریقے کے حامی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پڑھائی کا آغاز اجزاے ترکیبی سے ہونا چاہیے یعنی حروف اور ارکانِ حروف سے شروعات کرنی چاہیے۔ اس طریقہ تدریس کے حامیوں کے خیال میں جوں جوں اجزاے ترکیبی یعنی حروف کی شناخت ہوتی جاتی ہے، زبان کی بڑی اکائی تشکیل پاتی جاتی ہے اور الفاظ، کلمات اور جملے تشکیل پاتے جاتے ہیں۔ اگر باقاعدہ اور ترتیب وار مشق کا انتظام ہو تو آموزش میں پختگی آتی جاتی ہے اور نئی صورت حال میں بھی الفاظ کی شناخت کرائی جا سکتی ہے۔

ترکیبی طریقے کے حامیوں نے اپنی تائید میں اور بھی دلیلیں پیش کی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طریقے سے الفاظ کے اجزاے ترکیبی بخوبی سیکھے جا سکتے ہیں اور حروف سے الفاظ بنانے کی مہارت کو نئی صورتِ حال میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ اس طریقہ سے پڑھنا سکھانے میں منطقی ترتیب اور نظم کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے، اس لیے پڑھائی کے عمل میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور وقت کی بھی بچت ہوتی ہے۔

اس طریقے کے ناقدین کا خیال ہے کہ اگر شروع ہی میں حروفِ تہجی سکھا دیے جائیں تو بچوں کی فطرت کے منافی ہوتا ہے اور موادِ تعلیم کا تعلق بچوں کی زندگی سے نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ حروفِ تہجی سکھانے میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ زبان کی تدریس کے دیگر پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔

اگلے صفحات میں پڑھنا سکھانے کے مختلف طریقوں سے تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ہر ایک طریقۂ تدریس کی خوبیوں اور خامیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۔ حروفِ تہجی کا طریقہ:

یہ قدیم طریقہ ہے جو صدیوں سے رائج رہا ہے۔ اگر ہم درس و تدریس کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یونان، مصر و روما میں قدیم زمانے سے ہی طریقہ رائج رہا ہے اور انیسویں صدی تک اس کا بول بالا رہا ہے، بلکہ یہ کہنا بھی مبالغے پر مبنی نہیں ہوگا کہ دورِ حاضر میں اس طریقۂ تدریس کی پرزور حمایت کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"پڑھنا سکھانے کے جتنے طریقے بیان کیے گئے ہیں ان میں الف بائی طریقہ بہت پرانا اور کامیاب ہے۔ باقی تمام طریقے جدت طرازی کا نتیجہ ہیں ..... یہ تمام جدید

www.urduchannel.in

طریقے مغربی مفکرین نے ایجاد کیے ہیں۔ یہ طریقے مغربی زبانوں کے لیے موزوں، مفید اور کارآمد ہیں کیونکہ ان زبانوں کی نوعیت ان طریقوں کی متحمل ہو سکتی ہے ..... یہ طریقے اردو زبان کے حق میں مفید نہیں ہے (اردو زبان اور اس کی تعلیم، سلیم فاروقی ص ۵۸)

کسی ایک طریقۂ تدریس کو دوسرے طریقۂ تدریس پر سبقت حاصل ہے کہ نہیں ——— اس کا انحصار ذاتی پسند و ناپسند پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ تحقیقی نتائج کس طریقۂ تدریس کے حق میں ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ بالا مصنف نے کسی تحقیق کی بنیاد پر یہ بات نہیں کی ہے اور نہ ہی کوئی معروضی جواز پیش کیا ہے۔ یہ دلیل بھی بہت وزن نہیں رکھتی کہ "جدید طریقے مغربی زبانوں کے لیے مفید اور کارآمد ہیں کیونکہ ان زبانوں کی نوعیت ان طریقوں کی متحمل ہو سکتی ہے" اس کی تائید میں کوئی بھی معروضی تجزیہ نہیں پیش کیا گیا ہے۔

حروفِ تہجی کے تحت پہلے حروفِ تہجی کے نام سکھائے جاتے ہیں اور وہ بھی ترتیب کے ساتھ۔ انفرادی شکلوں کی شناخت کے بعد ان کی ملواں شکلوں سے واقفیت پیدا کرائی جاتی ہے یعنی انفرادی اور ترکیبی دونوں شکلوں سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ پھر اعراب کے ساتھ اس کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ متعلقہ آوازیں اچھی طرح سیکھی جا سکیں۔ پھر دو حرفی، سہ حرفی، چار حرفی اور پنج حرفی الفاظ سکھائے جاتے ہیں۔ گویا پڑھنا اور ہجے ساتھ ساتھ سکھایا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کو ہجے کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس طریقۂ تدریس میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ حروف کی آوازیں بعض صورتوں میں الفاظ کی ابتدائی آوازوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم ق + ل + م = قلم کہتے ہیں تو یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ (قلم) میں تین آوازیں شامل ہیں اور آخری آواز 'م' کی ہے۔ لیکن 'قلم' لفظ کے ہجے میں ہم پہلی آواز یعنی 'ق' سے کام لیتے ہیں اور باقی آوازوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لہٰذا بچوں کے لیے الجھن کا باعث بن جاتا ہے۔

دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس طریقۂ تدریس کے تحت الفاظ کی شناخت اور ہجے اور اعراب پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، مفہوم پر کم۔ لہٰذا بعد میں مفہوم پر زیادہ زور دیتے وقت دقت پیش آتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقۂ تدریس پڑھنا سکھانے میں زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوتا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس طریقۂ تدریس کے تحت سمجھ کر پڑھنے کے بجائے رٹنے رٹانے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ عام طور پر تمام ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ طریقۂ تدریس چونکہ نہایت ہی خشک ہے اس لیے بچوں میں پڑھائی کا شوق پیدا کرانے کے بجائے پڑھائی سے بچوں کو بیزار

www.urduchannel.in

کراتا ہے۔

مذکورہ بالا اعتراضات کے پیشِ نظر ابجدی طریقے میں اصلاحات بھی عمل میں آئیں اور بچوں کی دلچسپی کے پیشِ نظر کھیل کھیل میں کچھ ایسے طریقے بھی اپنائے جانے لگے جن سے بچوں میں شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ پڑھنا سیکھنے کے لیے راغب ہو جاتے ہیں۔

۲۔ صوتی طریقہ:

صوتی طریقے سے پڑھنا سکھانے کا رواج بھی قدیم ہے۔ اس کا استعمال حروف کی آواز کی بنیاد پر کیا جاتا ہے حروف کے نام سے نہیں۔ اس کے تحت حروف کی آوازیں سکھائی جاتی ہیں، اس کے پیچھے جو تصور کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار جب آوازیں سیکھ لی جائیں تو پھر ان آوازوں کو ارکانِ حرف اور لفظ میں ڈھالنے کا کام سہل ہو جاتا ہے۔ یعنی حروف کی شکل تو قائم رہتی ہے لیکن حروف کی آوازیں مربوط ہوتی جاتی ہیں یعنی آواز اور رابطے میں ربط پیدا ہوتا جاتا ہے اور وہ عیب بھی بڑی حد تک دور ہو جاتا ہے جو حروفِ تہجی کے طریقے میں عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔

صوتی طریقے کے تحت تدریسی مشاغل کی منطقی ترتیب کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ پہلے حروف کی شکل اور ان کی آواز کی شناخت کرائی جاتی ہے اور بنیادی طور پر حروفِ علت پہلے سکھائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر استاد نے اردو کے قاعدے میں حرف 'بے' 'ب' کی طرف اشارہ کیا تب شکل پہچنوائی اور 'ب' کی آواز کی شناخت کرائی۔ یعنی صوتی مناسبت سے حروف کو پڑھوایا اور اس کی مشق کرائی۔ مشق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حروف کی آواز کی تکرار کرائی جاتی ہے بعد ازاں حروفِ علت سے متعارف کرایا جاتا ہے اور اس کی بھی تکرار کرائی جاتی ہے۔ تاکہ حرف، صوت اور حرف کی ہیئت میں مناسب رشتہ پیدا ہو جائے۔

حروفِ علت کے بعد حروفِ صحیح منطقی ترتیب کے ساتھ سکھائے جاتے ہیں اور حروفِ علت سے ان کا بھی رشتہ استوار کیا جاتا ہے اور اعراب کی تبدیلی کے ساتھ گردانیں رٹوائی جاتی ہیں جیسے بَ، بِ، بُ۔ وغیرہ۔ اس کے بعد دو تین اور چار حروف کو ملا کر حروف کے رکن اور پھر لفظ بنوائے جاتے ہیں۔ عام طور پر اس طرح کے دو تین قاعدوں کو پڑھنے کے بعد طالب علم اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ آسانی کے ساتھ کسی عبارت کو پڑھ سکیں۔ یہ طریقہ اب بھی بہت سے ملکوں میں رائج ہے۔

www.urduchannel.in

صوتی طریقے میں ایک بڑی خوبی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے تحت حروف کی آوازوں کے توسط سے حروف کی شناخت کرائی جاتی ہے۔ اس طرح حروف کی شناخت میں سہولیت پیدا ہو جاتی ہے اور سیکھے ہوئے الفاظ سے جملے اور جملوں سے عبارت آرائی سہل ہو جاتی ہے مزید یہ کہ ابتدا سے ہی صحتِ تلفظ کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ آوازوں میں حروف کے نام حائل نہیں ہو پاتے اور علاحدہ علاحدہ آوازوں کے مجموعے سے لفظ کا تلفظ اچھی طرح ذہن نشیں ہو جاتا ہے۔

لیکن صوتی طریقے میں بہت سی خامیاں ہیں اور خاص طور سے اردو کی تدریس میں صوتی طریقۂ کار سے بہت دقتیں پیش آتی ہیں۔ اردو زبان صوتی زبان نہیں ہے۔ اس میں ملتی جلتی آوازوں کے لیے ایک سے زیادہ حروف ہیں۔ مثلاً سرو تا، صرافا و ثمر۔ ان تینوں الفاظ میں ابتدائی آوازیں ملتی جلتی ہیں۔ ان آوازوں میں بہت باریک فرق ہے جس کا شعور بالغ تو کر سکتا ہے بچے کے لیے مشکل ہے۔ اس لیے صوتی طریقہ سے پڑھنا سکھانے میں بہت دقت پیش آتی ہے۔

جامعہ کے ایک قابلِ قدر اُستاد عبدالغفار مدھولی صاحب نے صوتی طریقے سے بچوں اور بالغوں دونوں کو اردو سکھانے کا تجربہ کیا اور بڑی حد تک کامیاب بھی رہے لیکن اس کامیابی میں طریقۂ درس کا دخل کم اور استاد کی شخصیت، گفتگو کی جاذبیت اور تدریس میں ڈرامائی کیفیت کا دخل زیادہ معلوم ہوتا ہے، استاد کی ذاتی دلچسپی اور پڑھانے کا ایک مخصوص انداز اپنانے کی وجہ سے یہ طریقۂ تدریس دلچسپ ہو جاتا تھا مگر موصوف کے علاوہ جن اساتذہ نے بھی صوتی طریقے سے اردو پڑھنا سکھانے کی کوشش کی انھیں بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اردو زبان کی تدریس سے قطع نظر دیگر زبانوں کی تدریس میں صوتی طریقے سے پڑھانے میں دقتیں پیش آتی ہیں۔ شونل (۱۹۷۶ء) نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "خواندگی کی نفسیات اور تدریس" میں اس خیال سے اتفاق کیا ہے اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ صوتی ڈھنگ سے پڑھانے کی وجہ سے بامعنی اکائی کی شکل میں الفاظ، کلمات اور جملوں کا ادراک ٹھیک سے نہیں ہو پاتا۔ مزید یہ کہ پڑھنا سیکھنے کا عمل بہت میکانکی اور رسمی بن جاتا ہے جس کے تحت مہمل عناصر کی تکرار ہوتی جاتی ہے اور چند مخصوص آوازوں کو بار بار دہرانے کی وجہ سے بچوں میں تکان پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پڑھائی سے گریز کرنے لگتے ہیں۔

ماہرینِ تعلیم نے صوتی طریقۂ تدریس پر جو اعتراضات کیے ہیں اُن کی بنا پر یہ اصلاحات عمل میں آئی ہیں۔

www.urduchannel.in

۱۔ پہلا قاعدہ جو بچوں کو پڑھنے کے لیے دیا جائے اُس میں گرد و پیش کی مانوس اشیاء کی تصویریں ہوں جیسے پرندے اور جانور۔ ان تصویروں کے ذریعے حروف کی آوازوں کی ترجمانی ہوتی ہے۔ ان حروف کی ابتدائی آوازیں وہی ہوتی ہیں جن کے وسیلے سے حروف کو پڑھا جاتا ہے، جوں ہی لفظ کا تلفظ ادا ہوتا ہے ابتدائی آواز کی جانب توجہ مبذول کرائی جاتی ہے اور استاد قاعدے میں چھپے ہوئے لفظ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس طرح اس کے ذریعے سمعی اور بصری رشتے استوار ہو جاتے ہیں۔

۲۔ الفاظ کی نمایندہ تصاویر کے ساتھ وہ حرف بھی دے دیے جاتے ہیں جن کی ابتدائی آوازیں وہی ہوتی ہیں جو حروف کی ہوتی ہیں۔ اس طریقۂ کار کو اکثر کلیدی لفظ کا طریقہ بھی کہتے ہیں۔ اس طریقۂ کار کے تحت جب لفظ کا تلفظ ادا کیا جاتا ہے تو ابتدائی آواز کی طرف توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب بھی جزوی آوازوں کو ملا کر کسی لفظ کا تلفظ ادا کیا جاتا ہے تو لفظ کی ابتدائی آواز وہی ہوتی ہے جو ابتدائی حروف کی ہوتی ہے اس طرح مہمل آوازوں کا علاحدہ طور پر بار بار اعادہ نہیں کرنا پڑتا۔

۳۔ کلیدی لفظ واری طریقے کو اور موثر بنانے کے لیے تصویر کے اوپر اُس حرف کی شکل بنا دی جاتی ہے۔ جس کی نمایندہ تصویر ہوتی ہے، اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ حرف کی شکل اور تصویر کی اجمالی صورت میں مشابہت ہو۔ لیکن یہ طریقہ بالغوں کو پڑھنا سکھانے میں استعمال کیا گیا ہے، عام بچوں کے لیے مناسب نہیں۔ مزید یہ کہ حرف کی شکل اور حرف کی نمایندہ تصویر کی شکل میں مماثلت پیدا ہونا محض اتفاقی امر ہو سکتا ہے ورنہ عام طور پر دور از کار مماثلت پیدا کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۴۔ چوتھا طریقہ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جس حرف کو سکھانا مقصود ہو اس کو لفظ کے تعلق سے بصری اور زبانی دونوں طرح سے پیش کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس لفظ کی نمایندہ تصاویر بھی دکھائی جائیں جس کی ابتدائی آواز وہی ہو جو زیرِ آموزش حرف کی آواز ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہے کہ بچہ اس آواز سے مانوس ہو جاتا ہے کیونکہ کئی الفاظ میں اس کا استعمال ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن آواز اور تصویر دونوں پر بیک وقت توجہ دلانا مشکل امر ہے اس کی وجہ سے طالب علم کی توجہ کسی ایک پہلو پر مرکوز نہیں ہو پاتی۔

غرض قدیم اور جدید صوتی طریقۂ تدریس میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جدید طریقۂ تدریس کے

www.urduchannel.in

تحت پڑھے ہوئے مواد کی تفہیم پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ترکیبی طریقۂ تدریس میں افہام و تفہیم پر توجہ کم ہوتی ہے اور صرف و صوت پر زیادہ۔ اس کے برعکس تحلیلی طریقوں میں ابتدا سے تفہیم پر توجہ دی جاتی ہے۔ یعنی پڑھائی کی اکائی لفظ، کلمہ اور جملہ ہوتا ہے۔ بول چال میں عموماً یہی اکائیاں استعمال ہوتی ہیں اور یہ بامعنی بھی ہوتی ہیں اس لیے انھیں نقطۂ آغاز بنانا تعلیمی اور نفسیاتی دونوں اعتبار سے زیادہ موزوں ہے

تحلیلی طریقۂ تدریس کی تقویت کے لیے جو مؤثر دلیل دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ خواندگی یعنی پڑھائی اخذ خیالات کا ایک عمل ہے۔ لہٰذا ابتدا سے ہی بامعنی مواد کو استعمال کرنا چاہیے اور شروع سے ہی بچوں کو خیال انگیز مواد پڑھنے کے لیے دینا چاہیے۔ اس طرح خواندگی کا عمل دلچسپ اور بامقصد بن جاتا ہے۔ بعض ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ بچہ اشیاء کی شناخت اور متعلقہ تصوّر کا ادراک کل کی شکل میں کرتا ہے۔

تحلیلی طریقے کے ناقدین کا کہنا ہے کہ اس میں اخذِ مفہوم کے لیے درکار روّیوں اور مہارتوں پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ الفاظ کی شناخت کا کام نظر انداز ہو جاتا ہے۔

تحلیلی طریقۂ تدریس میں کئی طریقے شامل ہیں۔ ذیل میں اُن کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

لفظ واری طریقہ:

اس میں ترکیب کے بجائے تحلیل کی جانب اقدام ہوتا ہے اور لفظ کو پڑھائی کی اکائی کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ لفظ علاحدہ سے بھی منتخب کیا جا سکتا ہے اور کسی جملے یا عبارت سے لیا جا سکتا ہے۔ لیکن لفظ علاحدہ ہو یا جملے یا عبارت سے لیا گیا ہو بامعنی اور کلیدی ہونا چاہیے۔ اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ شروع شروع میں ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جائے جنھیں سادگی، ایتلاف کے ساتھ پڑھایا جا سکے۔ ابتدائی اسباق میں اس کا طریقہ دیکھو اور بولو کا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے یہ تصوّر کارفرما ہے کہ بول چال کی اکائی لفظ یا جملہ ہے اس لیے پڑھنا سکھانے کے لیے لفظ ہی کو نقطۂ آغاز بنانا زیادہ مناسب ہوگا۔ لفظ سے پڑھائی شروع کرانے کی ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ کہ اپنے خدوخال کے اعتبار سے لفظ کو یاد کرنا زیادہ سہل ہے۔

لفظ واری طریقے سے پڑھنا سکھانے کا یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے کہ پہلے کسی ایسے جملے یا عبارت کو

www.urduchannel.in

منتخب کرلیا جاتا ہے جس میں مطلوبہ لفظ موجود ہو۔ استاد اُس کو پڑھ کر باآواز بلند سناتا ہے پھر طالب علم سے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی باآواز بلند دُہرائے۔ اکثر تصویروں کا بھی ساتھ ہی ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ خاص کر قاعدے میں لفظ کے ساتھ ساتھ تصویریں دی جاتی ہیں۔ سست آموز بچوں کے لیے تو یہ طریقہ بہت مفید ہوتا ہے۔

لفظ کو بار بار باآواز بلند ادا کرنے کے بعد لفظ کے اجزا یعنی ارکانِ حرف اور حرف کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور پھر ان کی آوازوں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ اس طرح تکرار اور مشق سے نئے، الفاظ اور الفاظ کی مدد سے حروف سکھائے جاتے ہیں۔ پھر سیکھے ہوئے حروف سے نئے لفظ بنوائے جاتے ہیں۔ گویا ایک طرح سے دیکھا جائے تو اس میں تحلیلی اور ترکیبی دونوں عمل شامل ہیں۔ لیکن اگر لفظ واری طریقۂ تدریس میں لفظ کے اجزا یعنی حروف شامل نہ ہوں تو پھر وہ طریقہ تحلیلی طریقہ نہیں کہلائے گا۔

لفظ واری طریقہ دراصل قدیم اور روایتی طریقے کے خلاف ایک احتجاجی طریقہ ہے۔ سترہویں صدی کے مشہور ماہر تعلیم کومینس نے بھی لفظ واری طریقۂ تدریس کی سفارش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر لفظ تصویر کے حوالے سے طالب علموں کے سامنے پیش کیے جائیں تو آموزش بہت جلد ہوجاتی ہے اور طالب علموں کو بچے رٹنے کی سوہانِ روح منزل سے بھی گزرنا نہیں پڑتا۔ دورِ حاضر کے بھی کئی ماہرِ تعلیم لفظ واری طریقے کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان سب کی مشترک دلیل یہ ہے کہ لفظ شناخت اور خیال کی بنیادی اکائی ہے۔ لفظ واری طریقے میں چونکہ شروع سے ہی زیرِ آموزش مواد کی تفہیم پر زور دیا جاتا ہے اس لیے طالب علموں میں اس بات کی عادت پیدا ہوجاتی ہے کہ پڑھائی میں دلچسپی لیں، اس کو مسرت اور معلومات کے حصول کا ذریعہ بنائیں اور پڑھائی کی جانب ایک صحت مند رویہ پیدا کریں۔

لفظ کو کل کی حیثیت سے پڑھنے کا عمل بچوں اور بالغوں دونوں کے لیے خصوصی طور سے دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بچے اور بالغ دونوں بصری ہیئتوں کی آموزش زیادہ سہولیت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس لیے قبل اس کے کہ لفظ کے اجزا سے طلبہ کو متعارف کرایا جائے لفظ کی شناخت اور تفہیم کا عمل زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔

شروع شروع میں لفظ واری طریقے میں ایک دقت یہ بھی پیش آتی کہ لفظ کو سیکھنے کا کام چونکہ بڑی حد تک دُہرانے کے عمل پر مبنی ہوتا ہے۔ یعنی زیرِ آموزش لفظ کو مختلف جملوں میں رٹوایا

www.urduchannel.in

جاتا ہے اور یاد کرایا جاتا ہے اس لیے یہ عمل بچوں کے لیے خشک ہو جاتا ہے۔ اس کو دور کرنے کے لیے الفاظ کے کارڈ بنا لیے جاتے ہیں کارڈ کے ایک طرف 'لفظ' لکھا ہوتا ہے اور دوسری طرف اُسی شے کی تصویر بنی ہوتی ہے جس کے لیے لفظ کا استعمال ہوا ہے ـــــ کارڈ کے ذریعے ایک جانب بصری لفظ سامنے آتا ہے اور دوسری جانب متعلقہ شے کی تصویر۔ اس طرح لفظ کی شناخت اور تفہیم کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ بچے چونکہ لفظ اور متعلقہ اشیا کو پہلے سے جانتے ہیں اسی لیے لفظی تصویر ان کے سابق ذہنی تصورات کے ساتھ مل کر ایک ایسا بصری تصور قائم کر دیتی ہے جس سے لفظ کا ادراک مکمل ہو جاتا ہے۔ تکرار اور مشق سے اس میں پختگی آتی ہے۔ لیکن اس طریقے سے پڑھاتے وقت، تجا کی مشق نہیں ہو پاتی اور اعراب اور تلفظ کی عام غلطیاں سرزد ہونے لگتی ہیں۔ مزید یہ کہ آزادانہ طور پر شناخت کا عمل ناقص رہ جاتا ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اس کے ذریعے پڑھائی میں پسماندگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مشہور مفکر اور ماہر تعلیم وھائٹ ہیڈ نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ لفظ واری طریقۂ تدریس کے تحت تخیل کے عمل میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ لفظ کے عناصر ترکیبی یعنی ارکان حرف اور حروف پر توجہ دیر سے شروع ہوتی ہے اور کبھی کبھار سرے سے نظر انداز کر دی جاتی ہے۔

جملہ واری طریقہ:

لفظ واری اور جملہ واری طریقہ میں عمل تدریس کی نوعیت کم و بیش ایک سی ہوتی ہے۔ دونوں ہی تحلیلی طریقے ہوتے ہیں جنھیں کُل سے جُز کی جانب اقدام کیا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جملہ واری طریقے میں پڑھانے کے لیے لفظ کے بجائے جملے کی اکائی منتخب کی جاتی ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ لفظ کے بجائے جملہ زیادہ عام بول چال کی اکائی ہے اور لفظ کے مقابلہ میں جملہ زیادہ سوچی سمجھی اور بامعنی اکائی ہے۔ اس کے تحت ایک طریقہ تو یہ اپنایا جاتا ہے کہ کوئی سادہ سا جملہ منتخب کر لیا جاتا ہے اور تختۂ سیاہ پر لکھ دیا جاتا ہے یا مزید دلچسپی کی خاطر جملے کے ذریعے کسی تصویر کی ترجمانی کرائی جاتی ہے۔ جملہ اگر بول چال کی فطری اکائی ہو تو زیادہ مناسب ہوتا ہے اس لیے کہ وہی اکائی بولتے وقت اور پڑھتے وقت استعمال میں آتی ہے۔ اس کے پیچھے یہ تصور کارفرما ہے کہ جس طرح لفظ آواز اور حرف کا مجموعہ نہیں ہے اسی طرح جملہ بھی الفاظ یا الفاظ کے ناموں کا مجموعہ نہیں بلکہ مجموعی حیثیت سے جس امتیازی شکل و صورت اور معنوی اعتبار سے بول چال میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح اُس کی تفہیم بھی عمل میں آتی ہے جملہ اسی وقت بولا اور پڑھا جاتا ہے جب پڑھنے والے کے شعور میں مکمل

www.urduchannel.in

معنی کی ترسیل کا مرحلہ درپیش ہو۔

جملہ داری طریقے میں اردو قاعدے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے بغیر بھی استاد اگر سوجھ بوجھ رکھتا ہے تو پڑھائی کا آغاز کرا سکتا ہے۔ اس لیے استاد کلاس میں یا کلاس کے باہر کسی دلچسپ مشغلے کے تعلق سے جملے کا انتخاب کر سکتا ہے پھر جملے سے لفظ اور لفظ سے حروف کی شناخت کرائی جا سکتی ہے۔ مشق اور اعادے کے لیے حروف سے نئے لفظ اور لفظوں سے نئے جملے بنوائے جا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ بجے اور تلفظ کی مشق کرائی جا سکتی ہے۔ اس طرح ہر لفظ کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے اور 'دیکھو بولو' کے طور پر ہر جملہ کہلوایا جاتا ہے۔ پھر یہ دیکھنے کے لیے کہ جملے کی بصری شکل خوب ذہن نشیں ہو گئی ہے یا نہیں وہ جملہ الگ سے تختہ سیاہ پر لکھا جاتا ہے اور اس کی شناخت کرائی جاتی ہے۔ جملوں کی مشق کے لیے موٹے کاغذ کی پٹیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ ان کے اوپر جلی حروف میں مختلف جملے لکھے جا سکتے ہیں۔ ان جملوں میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ سیکھے ہوئے الفاظ بار بار جملے میں آئیں سیکھے ہوئے جملوں پر مشتمل کہانی سنائی جا سکتی ہے۔ اس طرح بچوں کا شوق قائم رہتا ہے اور پڑھائی کے عمل میں پختگی آتی جاتی ہے۔

جملہ داری طریقۂ تدریس کے یہ فوائد بتائے جاتے ہیں کہ اس میں گسٹالٹ کا نظریہ کارفرما ہوتا ہے یعنی پہلے کل پر توجہ مرکوز ہوتی ہے پھر اجزا پر۔ مزید یہ کہ اس کے ذریعے زیرِ مطالعہ مواد کے مفہوم پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے طلبہ میں پڑھائی کی جانب مناسب رویہ پیدا ہوتا ہے اور ذہانت کے ساتھ پڑھنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ مزید یہ کہ مفہوم کے سیاق و سباق اور تسلسل کے ساتھ بچوں کو جو کچھ مواد پڑھنے کو دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے پڑھائی میں زیادہ پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جملہ داری طریقے سے پڑھنا سکھانے میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ علاحدہ علاحدہ لفظوں کو پڑھنے کے بجائے ایک سانس میں پورا جملہ پڑھ لینے کی عادت پڑ جاتی ہے پھر جملے کو الفاظ میں اور الفاظ کو حروف میں توڑ کر پڑھنے سے الفاظ اور حروف کی اچھی طرح شناخت ہو جاتی ہے اور بجے اور تلفظ کی بھی معقول مہارت پیدا ہو جاتی ہے۔

جملہ داری طریقے پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اُن میں بیشتر تو وہ ہیں جو لفظ داری طریقے پر کیے گئے ہیں یعنی تحلیل کے عمل میں تاخیر ہوتی ہے اور لفظ کے ارکان ترکیبی یعنی ارکانِ حرف اور حروف کی جانب توجہ نہیں ہو پاتی۔ ان کے علاوہ ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ پڑھنا سکھانے کے لیے جن جملوں کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ اکثر معنوی اعتبار سے طلبہ کی فوری دلچسپی کا باعث نہیں ہوتے اس لیے پڑھائی کے عمل میں نہ تو دلچسپی

www.urduchannel.in

پیدا ہوتی ہے اور نہ پختگی پیدا ہوتی ہے۔ کسی حد تک بہتر جملوں کے انتخاب سے اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جملے کی معنوی حیثیت پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ خواندگی کی بنیادی مہارتوں پر توجہ کم ہو جاتی ہے۔ خواندگی کی بنیادی مہارتوں میں الفاظ کی شناخت، بجے اور تلفظ کی ادائی کا عمل خصوصیت کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔

قصہ واری طریقہ:

قصہ واری طریقے میں پڑھائی کے لیے کسی مختصر قصے یا کہانی کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ عملی نوعیت سے یہ جملہ واری طریقے کی توسیع ہے یعنی کئی جملوں کو ترکیب کے ساتھ جوڑ کر کہانی بنا دی جاتی ہے۔ تقریری نشوونما کے کام سے بھی اس کو مربوط کیا جا سکتا ہے۔ یعنی تصویروں کے ذریعے کہانی بنوائی جائے۔ پھر کہانی کو پڑھنے کا ڈھنگ سکھانے کے لیے ایک اکائی تصور کیا جاتے۔ چونکہ کہانی ہمیشہ بچوں کے لیے دلچسپی کا سامان پیدا کرتی ہے اس لیے قصہ واری طریقے سے پڑھنا سکھانے کا عمل بچوں میں دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ بعض اعتبار سے اس کے ذریعے ان اعتراضات کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو لفظ واری اور جملہ واری طریقے میں بتائے گئے ہیں۔ خیالات کے اعتبار سے بھی کہانی لفظ اور جملے کے مقابلے میں زیادہ مکمل اکائی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جملے سے جملے کا ربط مفہوم میں زیادہ وسعت پیدا کرتا ہے اس کے ذریعے پڑھائی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور ادب سے لطف اندوز ہونے کا وسیلہ فراہم ہوتا ہے۔

اس کے تحت کہانی سنانے کے بعد کہانی کو تختۂ سیاہ پر لکھ دیا جاتا ہے اگر ارد و قاعدہ اس نہج پر تیار کیا گیا ہے کہ وہ کہانی کا متن بن سکے تو یہاں اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔ کہانی سننے کے بعد چونکہ بچے واقعات کی ترتیب سے واقف ہو جاتے ہیں اس لیے جلد ہی جملوں کی شناخت کر لیتے ہیں۔ پھر انفرادی طور پر جملہ چن لیا جاتا ہے اور اس کی اچھی طرح شناخت کرادی جاتی ہے۔

اس طریقۂ تدریس میں ایک خامی یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس کے تحت طلبہ اپنی یادداشت سے کام لے کر کہانی کے واقعات کی ترتیب ذہن نشیں کرتے ہیں۔ الفاظ کی شناخت پر توجہ نہیں ہو پاتی اور خواندگی میں بھی کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہو پاتی۔ چنانچہ جب بھی کوئی نئی کہانی پڑھنی پڑتی ہے تو قیاس اور خیال آرائی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

سطور بالا میں پڑھنا سکھانے کے تمام طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی خوبیاں اور خامیاں بھی بتائی گئی ہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی طریقہ اپنی جگہ مکمل نہیں ہے، کسی میں ترکیبی ساخت

www.urduchannel.in

پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور کسی میں تحلیلی نوعیت پر، کسی میں الفاظ کی شناخت، بچے اور تلفظ کو مرکز توجہ بتایا گیا ہے تو کسی میں معنوی پہلو کو۔ بعض طریقۂ تدریس کے ضمن میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ انگریزی زبان سکھانے کے لیے تو یہ طریقہ موزوں ہے لیکن اردو سکھانے کے لیے موزوں نہیں۔ ان مباحث کے پیش نظر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ طریقۂ تدریس جن کے تحقیقی مطالعے کیے گئے ہیں اور معروضی ڈھنگ سے نتائج کی ترجمانی کی گئی ہے انھیں تسلیم کر لیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مخلوط طریقۂ تدریس اپنایا جائے اور تیسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ موجودہ طریقۂ تدریس میں ضروری ترمیمات کر لی جائیں اور ان نقائص کو دور کر دیا جائے جن کے بارے میں عام طور پر اتفاق رائے ہے۔

www.urduchannel.in

۱۲۔ لکھنا سکھانا

لکھائی کا عمل:

ابتدائی منزل پر تدریسِ زبان کے چار بنیادی مقاصد ہیں بولنا، پڑھنا، لکھنا اور سمجھنا سکھانا۔ ان میں سے دو اپنی نوعیت کے اعتبار سے عملی اور دو نظری ہیں۔ بولنا اور لکھنا سکھانے کی اہمیت عملی ہے اور پڑھنا اور سمجھنا سکھانے کی نوعیت نظری ہے۔

لکھنا لسانی اصطلاح میں ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان علامتوں میں یعنی حروف اور الفاظ میں اپنے خیالات کا لکھ کر اظہار کرتا ہے یہ اظہار کاروباری بھی ہوتا ہے اور تخلیقی بھی، یہ تہذیبی زندگی کا بھی مظہر ہے اور شخصیت سازی کا ایک ذریعہ بھی۔ اس لیے تحریری نشوونما کی تدریسِ زبان میں ایک کلیدی حیثیت ہے۔

ہر چند کہ تقریری نشوونما کے مقابلے میں تحریری نشوونما کی حیثیت ثانوی ہے تاہم اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ بولنے اور لکھنے میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ بولتے وقت بولنے والا لب و لہجے کی ادائگی، آواز کے نشیب و فراز اور کبھی کبھار حرکات و سکنات کو بھی وسیلۂ اظہار بنا لیتا ہے لیکن لکھتے وقت ان میں سے کوئی بھی بات ممکن نہیں۔ بولنے اور لکھنے میں ایک اور بھی بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ بولتے وقت زبان کا محاسبہ اتنا سخت نہیں ہوتا جتنا لکھتے وقت ہوتا ہے۔ انھیں اسباب کی بنا پر سمجھا جاتا ہے کہ لکھنا سکھانے کا کام نسبتاً زیادہ مشکل ہے اور اُس میں کچھ ایسی مہارتیں شامل ہیں جن کی باقاعدہ تدریس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

www.urduchannel.in

لکھنا سکھانے کی ترغیب:۔

مبتدیوں کو لکھنا سکھانے کی جانب راغب کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچّوں میں ترغیب پیدا کی جائے تاکہ وہ لکھنا سیکھنے پر آمادہ ہو سکیں۔ لکھنا سیکھنے کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس کی خواہش بچّوں میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے لہٰذا تدریس میں سہولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بچّے اپنے خیالات کو تحریری شکل میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو لکھتے دیکھ کر خود بھی لکھنا چاہتے ہیں۔ کاغذ، تختی یا سلیٹ پر لکھتے وقت قلم یا پنسل کی حرکت کو دیکھ کر اُن میں شوق پیدا ہوتا ہے وہ خود بھی حروف کی انفرادی یا ترکیبی شکلیں بنانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کوشش کے دوران وہ ذہنی طور پر لکھنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور لکھنے کی کوشش بھی کرنے لگتے ہیں۔

مختلف ممالک میں بچّوں کی حرکی نشوونما سے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہیں ان کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ لکھنے کے عمل میں آلۂ تحریر پر انگلیوں کی گرفت اور ہاتھوں کے پٹھوں کی ایسی تربیت ہونی چاہیے کہ لکھنا سیکھنے میں مددگار ثابت ہو۔ ہاتھ کے پٹھوں کی تربیت کے لیے یہ مشاغل تجویز کیے گئے ہیں

۱۔ کاغذ کاٹنا اور چپکانا ۲۔ ماڈلنگ کرنا ۳۔ تصویریں بنانا ۴۔ ٹنگ بنانا ۵۔ ریت پر انگلی پھیرنا ۶۔ حرف کی شکل پر انگلی پھیرنا۔ حروف کی شکل پر چاک یا پنسل پھیرنا ۸۔ حروف، اعداد اور تصاویر کو عکسی کاغذ کی مدد سے اتارنا۔

اِن مشاغل کے ذریعے جن حسّی مہارتوں کی نشوونما ہوتی ہے وہ دراصل حرکی تربیت میں معاون ہوتی ہے۔ لیکن تحریر کے عمل میں تحریر کی بنیادی مہارتیں درکار ہوتی ہیں۔ یہ مہارتیں ہر زبان کی تحریری ساخت کے لحاظ سے آسان یا مشکل ہوتی ہیں۔ جن زبانوں کی تحریری ساخت حروفِ تہجی پر مبنی ہوتی ہے اُن کے لکھنے میں نسبتاً زیادہ مہارت درکار ہوتی ہے۔ چونکہ اردو بھی ایک ایسی ہی زبان ہے جس کی تحریری ساخت میں پیچیدہ عمل اختیار کرنا پڑتا ہے اس لیے تحریری مہارت پیدا کرانے کے لیے قبل تحریر تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قبل تحریر تربیت کے فروغ کے لیے چند مشاغل تجویز کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے ذریعہ کھیل کھیل میں بچّوں کو لکھنا سکھانے کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سیدھے خطوط کھینچنا۔ ۲۔ ترچھے خطوط کھینچنا
۳۔ ٹیڑھے خطوط کھینچنا ۴۔ قوسی خطوط کھینچنا
۵۔ ریگ مال پر کٹے ہوئے حروف پر انگلی پھیرنا۔ ۶۔ چھوٹے چھوٹے تار کو موڑ کر حروف کی شکل بنانا۔
۷۔ استاد کے ذریعے فراہم کردہ خاکے میں رنگ بھرنا۔ ۸۔ ہوا میں انگلی گھما کر لکھنے کی کوشش کرنا۔

www.urduchannel.in

مدرسے میں لکھنے کی ترغیب پیدا کرانے کے سلسلے میں مختلف ممالک میں جو تجربات ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچوں میں لکھنے کی ترغیب پیدا کرانے کا کام ان کی قدرتی نشوونما کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے لہٰذا اس کو بہت رسمی نہیں بنانا چاہیے بلکہ کھیل کھیل میں لکھنا سکھانے کی ترغیب پیدا کرانی چاہیے۔

یہاں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ شروع شروع میں بچے ایسے مشاغل کے ذریعے اظہار خیال کرتے ہیں جن میں خود انھیں منتقل رہنا پڑتا ہے اور انھیں مشاغل کے ذریعے ان میں حرکی نشوونما ہوتی ہے۔ حرکی مہارت کے حصول کے بعد اگر مناسب محرکات فراہم کیے جائیں اور لکھنا سکھانے کی ضروری تیاری کرلی جائے تو بچہ لکھنے کی جانب مائل ہوسکتا ہے۔

لکھنا سکھانے کی تیاری دراصل قبل مدرسہ شروع ہوجاتی ہے نرسری اسکول میں بچوں کو ایسے مشاغل سے سابقہ پڑتا ہے جن سے لکھنا سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس منزل پر انھیں سیدھی اور دست خط مہارتیں سکھائی جاتی ہیں جو آئندہ لکھائی کی مہارت میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ پرائمری درجات میں لکھائی کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ اس منزل پر تحریری مہارتوں کی بنیاد پڑتی ہے۔ اگر بنیاد ناقص ہوگی تو تمام عمر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ لہٰذا استاد کو بہت محتاط رہنا چاہیے اور ہر اعتبار سے بچوں کے شوق کو ابھارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بچے کی پہلی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنا نام لکھے، اگر استاد یا استانی واضح اور صاف خط میں بچے کا نام لکھ کر اس کے ڈیسک پر چسپاں کردے تو بچے میں اس بات کی ترغیب پیدا ہوسکتی ہے کہ وہ نقل کرکے اپنا نام لکھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح مختلف موقعوں پر بچوں کو تحفے ملتے ہیں۔ ان تحفوں میں کھلونے خاص کر شامل ہوتے ہیں بچوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کھلونوں کے نام لکھ سکیں۔ اسی طرح کھیل کے دوران ایسے سامان سے ان کو سابقہ پڑتا ہے جن کے نام لکھنے میں مخصوصیت کے ساتھ ان کو دلچسپی ہوسکتی ہے۔ عام طور پر بچوں کو تصویریں بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ بچے اپنی بنائی ہوئی تصویروں کے نام دینے اور لکھنے میں بہت دلچسپی ظاہر کرتے ہیں اس طرح متعدد مشاغل ہیں جن کے ذریعے بچوں میں لکھنے کی ترغیب پیدا کرائی جاسکتی ہے بشرطیکہ استاد ان کی صحیح رہنمائی کرے۔ استاد کو ہر اعتبار سے بچوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ استاد کے ہاتھ کی لکھائی کو بھی وہ نمونہ سمجھتا ہے اور اس کی تقلید کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ لکھتے وقت واضح اور صاف خط میں لکھے نشست شوشے اور دائروں کا خیال رکھے۔ لکھتے وقت اگر استاد مختلف رنگ کی چاک استعمال کرے تو شاگرد بھی

www.urduchannel.in

کا کام اور بھی دلچسپ ہو سکتا ہے۔ عام طور پر اساتذہ تختۂ سیاہ پر لکھ کر بچوں سے نقل لکھواتے ہیں لیکن شروع شروع میں اس طرح نقل لکھنے میں بچوں کو دشواری محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تختۂ سیاہ پر استاد کا لکھا ہوا نمونہ بچے کی آنکھ سے کافی فاصلہ پر ہوتا ہے۔ اس لیے الفاظ کی بصری تصویر آفرینی کا عمل مشکل ہو جاتا ہے اور جب وہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ تک نظر کو حرکت دیتا ہے تو اُس وقت اُس کو دِقت پیش آتی ہے لیکن دھیرے دھیرے وہ ان دشواریوں پر قابو پا لیتا ہے۔ اس دوران اگر کارڈ پر جلی حروف میں الفاظ لکھ کر دیے جائیں تو نقل نویسی میں سہولت پیدا ہو سکتی ہے۔

اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو پڑھنا اور لکھنا دونوں ہی عمل گفتگو اور بات چیت ہی کے رہینِ منت ہیں۔ اس لیے کہ گفتگو ہی پڑھائی اور لکھائی میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا استاد کا فرض ہے کہ وہ گفتگو اور تحریر کے درمیانی فاصلے کو طے کرنے میں طالب علم کی مدد کرے اور ان میں لکھنے کا شوق پیدا کرے۔ ایک بار طالب علم لکھنے کی جانب مائل ہو جائے تو راستہ صاف ہو جاتا ہے یعنی طالب علم اگر بولے ہوئے الفاظ کی اچھی طرح شناخت کر لے تو پھر علامت میں اس کا اظہار کرنا مشکل نہیں ہوتا اور ایک بار وہ تحریری اظہار کی طرف مائل ہو جائے تو پھر مانوس اور بامعنی الفاظ کو موقع محل کی مناسبت سے ضبطِ تحریر میں لا سکتا ہے۔ اس لیے لکھنا سکھانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ لکھائی کی جانب بچے کو راغب کیا جائے۔

ہر چند کہ تدریس کے پروگرام میں لکھنا سکھانا، بولنا اور پڑھنا سکھانے کے بعد آتا ہے تاہم اگر پڑھنا اور لکھنا ساتھ ساتھ سکھایا جائے تو بہتر ہے۔ روایت یہ رہی ہے کہ جب تک پڑھنے کی بنیادی مہارتیں حاصل نہ ہو جائیں لکھنا سکھانا موقوف رکھا جاتا ہے لیکن جدید نظریات کی رو سے پڑھنا اور لکھنا ساتھ سکھانے کی تائید کی جاتی ہے۔ اور یہ تصور پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنا اور لکھنا ساتھ سکھانے میں سہولیت ہوتی ہے اور یہ دونوں عمل اکتسابی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ شروع شروع میں لکھنا سکھانے کے لیے ٹائم ٹیبل میں علاحدہ گھنٹہ ہوا کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ دستور ختم ہو گیا۔ تاہم مدرسے کے پروگرام میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور عام طور پر مبتدیوں کو پڑھنا اور لکھنا ساتھ ساتھ سکھایا جاتا ہے۔

لکھنا سکھانے کے دوران اعضائے تحریر، آلۂ تحریر اور نشست کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے۔ اعضائے تحریر میں ہاتھ، بازو، آنکھ کا استعمال ہوتا ہے۔ ان سب کا تعلق بچوں کی

www.urduchannel.in

جسمانی صحت سے ہے اس لیے اگر ان اعضا میں کوئی نقص ہو تو کسی معالج سے رجوع کرنا چاہیے

آلاتِ تحریر میں قلم، پنسل اور چاک شامل ہیں لہٰذا ان پر بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ شروع شروع میں پنسل سے لکھوانا زیادہ مناسب ہے۔ اکثر کتابوں میں قلم کے استعمال پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آج کل کسی اسکول میں قلم استعمال نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کا استعمال دن بدن کم ہوتا جاتا ہے لیکن اگر استاد قلم استعمال کرانا چاہے تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ نوکِ قلم نہ بہت سخت ہو اور نہ بہت نرم۔ دائیں جانب قط کسی قدر ترچھا ہو۔

اسی طرح نشست کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ لکھتے وقت بچے سیدھے بیٹھیں، کسی طرف کو جھکیں نہیں اور کاپیاں بھی سیدھی رکھیں۔

لکھنا سکھانے کے کئی مدارج ہیں۔ ان مدارج کا تعین استاد کے طریقۂ تدریس پر منحصر ہے۔ بعض اساتذہ پڑھائی کی طرح لکھائی کے لیے بھی ترکیبی طریقہ اختیار کرتے ہیں یعنی ابجد نویسی سے لکھائی کا آغاز کرتے ہیں اس کے تحت پہلے مفرد حروف اور بعد میں مرکب حروف لکھنا سکھایا جاتا ہے پھر لفظ اور جملے لکھوائے جاتے ہیں۔ ترکیبی شکلوں میں دو حرفی، سہ حرفی، چہار حرفی اور پنج حرفی الفاظ کا لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ پھر جملے لکھوائے جاتے ہیں۔

لیکن لکھنا سکھانے کے لیے اگر استاد تحلیلی طریقہ اپنانا چاہتا ہے تو پھر مدارج کی نوعیت مختلف ہوگی۔ تحلیلی طریقے میں لفظ داری یا جملہ داری طریقہ اپنایا جا سکتا ہے۔ اس کے تحت دیکھو، پڑھو اور لکھو کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

لکھنا سکھانے کا تیسرا طریقہ مخلوط ہو سکتا ہے۔ جس کے تحت آغاز تو تحلیلی طریقے سے کیا جائے لیکن ہر سبق کے اختتام پر ترکیبی یا ابجدی طریقہ اپنا کر مشق کرائی جا سکتی ہے۔

لکھنا سکھانے کے جو مختلف طریقے بتائے گئے ہیں اُن کو بھی بنیادی طور پر ہم دو طریقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ترکیبی طریقوں میں ابجدی طریقہ، پستانوی کا طریقہ، مانسوری کا طریقہ اور سجاد مرزا کا طریقہ شامل ہے۔ تحلیلی طریقہ میں پڑھو اور لکھو طریقہ شامل ہے جس کے تحت قصہ واری، جملہ واری اور لفظ واری طریقے شامل ہیں ذیل میں ان طریقوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

ابجدی طریقہ:

یہ مشرقی مدارس کا قدیم اور مروجہ طریقہ ہے اس کے تحت بچوں کو پہلے حروفِ تہجی لکھنا

www.urduchannel.in

سکھایا جاتا ہے اُس کے بعد ان حروف کی ملواں شکلیں سکھائی جاتی ہیں یعنی مفرد سے مرکب کی طرف اقدام کیا جاتا ہے۔ یعنی الفاظ لکھنا سکھایا جائے اور پھر جملے۔ اس طریقۂ تدریس پر اعتراضات کی نوعیت وہی ہے جو پڑھنا سکھانے میں زیر بحث آچکی ہیں۔ یہ نامعلوم سے معلوم کی طرف اقدام ہے، یہ نفسیاتی اصولوں کے خلاف ہے اور پھر پڑھائی کی طرح لکھائی کی بھی بنیادی اکائی لفظ یا جملہ ہونا چاہیے حروف نہیں۔

ابجدی طریقہ کی تائید میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے تحت حروف اور لفظ کی بنیاد پختہ ہو جاتی ہے اور خط واضح اور صاف رہتا ہے۔ مزید یہ کہ لفظ کی ترکیبی شکل اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

ابھی تک اردو میں چونکہ ترکیبی اور تحلیلی طریقے کے تقابلی افادیت پر کوئی تحقیقی مطالعہ نہیں پیش کیا گیا ہے اس لیے بہت وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سا طریقۂ تدریس بہتر اور اعلا ہے۔ لیکن جن بنیادوں پر پڑھنا سکھانے کے لیے تحلیلی طریقوں اور خاص طور سے لفظ داری طریقے کی تائید کی گئی ہے اُنھیں بنیادوں پر لکھنا سکھانے میں لفظ داری طریقے کی حمایت کی جا سکتی ہے۔

پستالوزی کا طریقہ:

لکھنا سکھانے کا دوسرا طریقہ ایک مغربی مفکر پستالوزی نے ایجاد کیا ہے۔ پستالوزی کے خیال میں حروف لکھنے میں جس قسم کی مہارت درکار ہے وہ خط مستقیم اور خطِ منحنی کھینچنے کی مشق سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ لکھنا سکھانے کا آغاز خط کشی سے کیا جائے اور ٹیڑھی اور سیدھی لکیریں کھینچوانے کی خوب مشق کی جائے تو حروف لکھنے کی بنیادی مہارتیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ کاغذ یا سلیٹ پر رنگ برنگی پنسلوں سے اگر لکیریں کھنچوانے کی مشق کرائی جائے تو یہ ایک دلچسپ مشغلہ بھی بن سکتا ہے اور کھیل کھیل میں طالب علم لکھنا سیکھنے کی بنیادی مہارتیں بھی سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے تحت لکھنا سکھانے کا آغاز دیے ہوئے خطوں اور لفظوں کی مشق سے کرایا جا سکتا ہے۔

خط مستقیم (ا ــــ ر) خط منحنی (ں د) گول نقطے (٥) اور مربع نقطے (■)۔ پستالوزی کے خیال میں ان نقطوں اور خطوں کو جوڑ کر ان سے حروف بنوائے جا سکتے ہیں اور پھر حروف سے الفاظ اور الفاظ سے جملے لکھنا سکھایا جا سکتا ہے۔

www.urduchannel.in

کسی حد تک یہ بات صحیح نظر آتی ہے کہ اِن مشقوں سے حروف ملا کر لکھنا تو آ سکتا ہے یعنی حروف کی شکلیں بنانا آجاتا ہے لیکن اس طریقے میں خطِ نستعلیق کی خوبی باقی نہیں رہتی۔ مزید یہ کہ اس طرح لکھنا سکھانے میں وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے۔

مانٹسوری کا طریقہ:

یہ میریا مانٹسوری کا ایجاد کردہ طریقہ ہے۔ اسی طریقے سے اس نے چھوٹے بچوں کو لکھنا سکھانے کا کام شروع کیا۔ بنیادی طور پر یہ حسیاتی طریقہ ہے۔ سکھانے کی خاطر حروف کی شکلیں لکڑی، گتے یا دیگ مال پر کاٹ لی جاتی ہیں ان پر بچے انگلی پھیرتے ہیں اس طرح حروف کی شکلیں بچوں کے ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ بچوں کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ثابت ہو سکتا ہے اور وہ کھیل کھیل میں لکھنا سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ اُن زبانوں کے سیکھنے میں زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے جو صوتی ہوں یعنی جن کی انفرادی اور ترکیبی شکلوں میں فرق نہ ہو۔ اس لیے اردو سکھانے میں یہ طریقہ زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ مزید یہ کہ تمام حروف کی شکلیں کاٹنا اور طالب علموں کو فراہم کرنا ایک طویل عمل ہے اور اساتذہ کے لیے کسی قدر دشوار بھی ہے۔

پڑھو اور لکھو طریقہ:

یہ طریقہ تینوں تحلیلی طریقوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ یعنی لفظ واری طریقہ، جملہ واری طریقہ اور قصہ واری طریقے میں پڑھو اور لکھو کی تکنیک اپنائی جا سکتی ہے۔ لفظ واری طریقے کے تحت الفاظ کو پڑھوایا جاتا ہے۔ اس کی شکل ذہن نشین کرائی جاتی ہے اور پھر نقل لکھوائی جاتی ہے اور حروف کی ترکیبی شکل سے طلبہ کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح جملہ واری طریقے میں بھی جملے سے کلیدی لفظ کا انتخاب کر لیا جاتا ہے پھر اس کے بعد لفظ واری طریقہ برتا جاتا ہے۔ قصہ واری طریقے اور جملہ واری طریقے کی صورت کم و بیش ایک سی ہی ہوتی ہے۔ یعنی قصے کا ایک ایک جملہ علاحدہ علاحدہ پڑھوایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر جملے کے الفاظ علاحدہ علاحدہ لکھائے جاتے ہیں۔ اس طرح قصے سے جملہ، جملے سے لفظ اور لفظ سے حرف کی طرف اقدام کیا جاتا ہے۔ لیکن اس طریقے پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ طریقہ اُن زبانوں کے لیے زیادہ مفید ہے جن کے رسمِ خط میں حروف کی انفرادی اور ترکیبی شکلیں ایک سی ہوتی ہیں۔ اردو میں چونکہ یہ صورتِ حال نہیں ملتی اس لیے اس طریقے سے اردو

www.urduchannel.in

لکھنا سکھانا زیادہ مفید نہیں۔

ان مباحث کے پیشِ نظر مبتدیوں کو اردو لکھنا سکھانے کے سلسلے میں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ پڑھنا سکھانے کے لیے جس طریقے کا انتخاب کریں لکھنا سکھانے میں بھی اُسی کو استعمال کریں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ طلبہ پڑھنا سیکھنے میں جس طرزِ نظر سے آشنا ہوں گے وہ لکھنا سیکھنے میں بھی معاون ہوگا۔

www.urduchannel.in

۱۳۔ تدریسِ نثر

تدریسی نظریات:

پرائمری جماعتوں میں اردو کی تدریس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچے بول چال، پڑھائی اور لکھائی کی بنیادی مہارتیں پیدا کر سکیں اور ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ بولتے وقت سیدھے سادے الفاظ میں اظہارِ خیال کر سکیں، پڑھتے وقت صحیح تلفظ اور لہجے پر قدرت حاصل کر سکیں اور لکھتے وقت صحت کے ساتھ اور صاف صاف لکھ سکیں۔ پرائمری درجات میں جو بچے داخل ہوتے ہیں ان میں سے چند ہی بچے ایسے ہو سکتے ہیں جنھیں قبل مدرسہ تعلیم کا موقع میسّر آ چکا ہوگا اور ان میں لسانی مہارتوں کی داغ بیل پہلے ہی پڑ چکی ہوگی۔ لیکن ملک کی وسعت اور آبادی کے انتشار کے پیشِ نظر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ عام طور پر پرائمری درجات کے بچوں کو قبل مدرسہ تعلیم کے مواقع میسّر نہیں آتے، اس لیے رسمی طور پر پہلی جماعت سے ہی اس کام کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک بولنے کا تعلق ہے بولنا تو بچہ گھر سے ہی سیکھ کر آتا ہے مدرسے کا کام محض یہ ہے کہ بچے کی گفتگو کو بہتر اور شستہ بنائے۔ لیکن پڑھائی اور لکھائی کا آغاز چونکہ پہلی جماعت سے ہی ہوتا ہے اس لیے پہلی جماعت میں پڑھائی کے لوازمات پر خصوصیت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے اس ضمن میں اردو قاعدے کی بہت اہمیت نظر آتی ہے اس لیے کہ قاعدے کی مدد سے پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ پہلے حروف شناسی کرائی جاتی ہے پھر حروف کو ملا کر لفظ بنوائے جاتے ہیں۔ اور آخر میں الفاظ سے جملے کی ترکیب عمل میں آتی ہے۔

www.urduchannel.in

حروف شناسی کیسے کرائی جائے، طریقۂ تدریس کون سا اپنایا جائے اور کس قسم کا سازوسامان استعمال کیا جائے۔ اس کا ذکر پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے باب میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے یہاں تو صرف یہ بیان کر دینا کافی ہوگا کہ عام طور پر قاعدے کی مدد سے حروف شناسی کرائی جاتی ہے نئے الفاظ کے تلفظ کی مشق کرائی جاتی ہے اور سیکھے ہوئے الفاظ کو نئی صورت حال میں استعمال کرایا جاتا ہے۔ یہ مشقیں دوسری جماعت تک اور کبھی کبھار تیسری جماعت تک جاری رہتی ہے

دراصل ابتدائی دو جماعتوں اور آخر کی دو جماعتوں یعنی چوتھی اور پانچویں جماعت کی منزل علاحدہ علاحدہ طریقۂ تدریس کی متقاضی ہوتی ہے۔ اور تیسری جماعت ایک درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتی ہے یعنی بعض مہارتیں جو چوتھی جماعت سے باقاعدہ شروع کرائی جاتی ہیں، ان کا تعارف تیسری جماعت میں کرایا جاتا ہے جیسے خاموش خوانی (خاموش مطالعہ) کا کام عام طور پر چوتھی جماعت سے شروع کرانا مناسب ہوتا ہے۔ اور تیسری جماعت میں زیرِ لب مطالعے کے ذریعے اس کام کی بہتر تربیت دی جاتی ہے۔

ابتدائی سطح:

ابتدائی دو درجات میں چونکہ زبان کی تعلیم سے پڑھنا اور لکھنا مقصود ہوتا ہے اس لیے بطور نثر اردو کی تدریس کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا۔ اس منزل پر تو زبان کی میکانکی مہارتوں کی نشوونما پر توجہ مرکوز ہوتی ہے۔ لہٰذا پڑھائی کے دوران زیادہ زور لہجے اور تلفظ پر دیا جاتا ہے معنی پر نہیں۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ لہجے اور تلفظ کے دوران معنی خود بخود واضح ہو جائیں گے۔ یہ دونوں قابلیتیں ساتھ ساتھ نشوونما پاتی ہیں۔ یعنی الفاظ کو پڑھنے اور ان کے معنی سمجھنے کی قابلیت ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بچے کسی لفظ کے ہجے کر کے اس کا تلفظ ادا کرتے ہیں تو آواز کی مدد سے معنی بھی سمجھ لیتے ہیں پڑھائی اور تفہیم کے دوران اس وقت زیادہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے جب ایتلافِ مادّی کے ذریعے پڑھایا جائے یعنی مقرون اشیا کی مدد سے الفاظ کے معنی بتائے جائیں تاکہ بچوں میں دلچسپی قائم رہے اور سہولت کے ساتھ وہ الفاظ کے ہجے اور تلفظ کو ادا کر سکیں۔

قاعدے کا استعمال:

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ابتدائی درجات میں چونکہ خصوصیت کے ساتھ پڑھنا اور لکھنا مقصود ہوتا

www.urduchannel.in

ہے اس لیے پڑھنا سکھانے کے لیے قاعدے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بیشتر قاعدوں میں عموماً نہ تو بچوں کی نفسیات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے اور نہ ہی اساتذہ کے لیے ضروری اشارات فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس لیے عام طور پر پہلی جماعت کا استاد اُزلو ہوتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے پڑھاتا ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ اساتذہ اردو پڑھنا سکھانے کے لیے حروفِ تہجی کا طریقہ اپناتے ہیں اور رٹائی پر زیادہ زور دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھائی کا کام ایک خشک اور بے لطف کام بن جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ چاہے کوئی بھی قاعدہ استعمال کریں لیکن ان باتوں پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دیں:

۱۔ تختیوں کی غیر ضروری طوالت سے پرہیز کریں۔
۲۔ مقرون اشیاء کی تصاویر کے ذریعے حروف کی شناخت کرائیں۔
۳۔ شروع شروع میں ایسے الفاظ کا انتخاب کریں جو مقرون اشیا کی مدد سے پڑھائے جا سکیں۔
۴۔ بے معنی مرکبات اور مہمل گردانوں سے گریز کریں۔
۵۔ اعراب کی حرکات کو مختلف مثالوں کے ذریعے واضح کریں۔
۶۔ پڑھنا اور لکھنا ساتھ ساتھ سکھائیں۔

قاعدے کی تعلیم کے بعد بچوں میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ الفاظ اور آسان جملوں کو سہولت کے ساتھ پڑھ سکیں اس منزل پر مناسب رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ عام طور پر بچوں میں یہ عادت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جملے میں لفظوں کو توڑ توڑ کر پڑھتے ہیں اور اسی طرح جملے کو بھی الگ الگ توڑ کر پڑھتے ہیں۔ یہ عادت پڑھائی کے لیے بہت مضر ہے اور روانی پیدا کرنے میں مانع ہوتی ہے۔ اگر اسباق آسان زبان میں ہوں اور مانوس موضوعات پر ہوں تو طلبہ کو پوری عبارت پڑھنے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے اور مفہوم سمجھنے میں بھی دقت نہیں ہوتی۔

تدریسی اقدامات:

نثر کی تدریس کا باقاعدہ کام تیسری جماعت سے شروع ہوتا ہے بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ تیسری، چوتھی اور پانچویں جماعتوں میں اردو نثر کی تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ لسانی مہارتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ طلبہ کی معلومات میں بھی اضافہ کرایا جائے۔ اس مقصد کے لیے درسی کتب میں

www.urduchannel.in

تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور عام معلومات کے اسباق شامل ہونے چاہییں۔ معلوماتی مقاصد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ مقاصد ضمناً حاصل کیے جاتے ہیں۔ اصل غرض و غایت یہی ہوتی ہے کہ مخارج درست ہوں۔ تلفظ اور لفظیات پر قدرت حاصل ہو۔ اور عبارت خوانی کی ایسی مشق کرائی جائے کہ طلبہ سہولت کے ساتھ مفہوم اخذ کر سکیں

تمہید:

تعیین مقاصد کے بعد سب سے پہلی منزل تمہید کی آتی ہے۔ یعنی نثر کا سبق پڑھانے سے قبل بچوں کے منتشر خیالات کو مجتمع کیا جائے اور موضوع کی جانب ان کی توجہ مرکوز کرائی جائے۔ اس کے لیے ایک دلچسپ تمہید کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر موضوعاتی تمہید زیادہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔ درسی کتب میں چونکہ مختلف موضوعات پر اسباق شامل کیے جاتے ہیں اس لیے ہر سبق اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ لہٰذا ہر سبق کی تمہید بھی مختلف نہج پر ہونی چاہیے۔

تمہیدی عمل اس وقت دلچسپی کا باعث ہوتا ہے جب متعلقہ موضوعات پر طلبہ سے بات چیت کی جائے اردو میں مختلف قسم کے جملوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً سوالیہ جملے اور استفہامیہ جملے کے درمیان بہت کم فرق ہوتا ہے اور اس فرق کو لب و لہجے کی تبدیلی سے واضح کیا جاتا ہے تمہیدی گفتگو کے دوران اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ سوال و جواب کا سیدھا سادہ طریقہ اپنایا جائے۔

تمہیدی گفتگو اس وقت طلبہ کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتی ہے جب ایسے مادی اور معلوم صورتِ حال کے توسط سے نامعلوم باتوں کی جانب اشارہ کیا جائے تاکہ طلبہ کے خیالات کا سلسلہ اصل موضوع کی جانب موڑا جا سکے اور سبق میں دلچسپی پیدا کرائی جا سکے۔

اعلانِ سبق:

تمہیدی گفتگو کے بعد اعلان سبق کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اب ہم فلاں سبق پڑھائیں گے، سبق کا عنوان اور درسی کتاب کا صفحہ بتایا جاتا ہے تاکہ فہرست مضامین دیکھ کر بچے سبق نکال لیں۔ علاوہ ازیں اس موقع پر اس بات کا بھی خاص طور سے ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سبق کیوں اہمیت رکھتا ہے اور اس میں کون کون سی خاص باتیں غور طلب ہیں ہر چند کہ اسباق تاریخی، جغرافیائی اور سائنسی موضوع

www.urduchannel.in

پر ہو سکتے ہیں تاہم ان اسباق میں لسانی اور ادبی پہلوؤں کو اہمیت دینی چاہیے۔

نمونے کی بلند خوانی:

تمہیدی گفتگو کے بعد استاد کو چاہیے کہ طلبہ سے سبق نکلوائے، انھیں یہ تاکید کرے کہ کتاب ٹھیک سے پکڑیں یا ڈیسک پر رکھیں اور سیدھے ہو کر بیٹھیں۔ نشست کا مناسب طریقہ اختیار کرنے سے پڑھائی کے عمل میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

ان باتوں کا اطمینان کرنے کے بعد استاد کو چاہیے کہ سبق کا ایک پارہ یا آواز بلند پڑھ کر سنائے اور پڑھتے وقت بلند خوانی کے تمام اوصاف کا خیال رکھے۔ پڑھتے وقت صحت تلفظ، روانی، تغیر لحن اور تاثر کا خیال رکھنا چاہیے۔ بلند خوانی کے دوران اوقاف کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے یعنی کہاں رُکتا ہے اور کہاں تسلسل کے ساتھ پڑھتا ہے، یہ بلند خوانی واقعی نمونے کی ہونی چاہیے تاکہ عبارت کے تمام ترکیبی رموز واضح اور روشن ہو جائیں۔ بلند خوانی کے دوران طلبہ پر بھی نظر رکھنی چاہیے اور یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہ اپنی کتاب کے سبق کو غور سے دیکھ رہے ہیں۔

انفرادی بلند خوانی:

نمونے کی بلند خوانی کے بعد تھوڑا سا وقفہ دینا چاہیے تاکہ طلبہ بلند خوانی کے تاثر کو محسوس کر سکیں اس کے بعد ان سے انفرادی طور پر بلند خوانی کروانی چاہیے۔ انفرادی بلند خوانی کے دوران طلبہ کئی قسم کی غلطیاں کرتے ہیں۔ کبھی تلفظ غلط ادا کرتے ہیں، کبھی پڑھتے وقت کوئی لفظ چھوڑ جاتے ہیں اور کبھی اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں۔ بعض بچے پڑھائی میں بہت کمزور ہوتے ہیں وہ جملے کے الفاظ کو ٹکڑوں میں پڑھتے ہیں۔

انفرادی بلند خوانی کے دوران غلطیوں کی اصلاح کیسے کرائی جائے اس کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض اساتذہ اس بات کے حق میں ہیں کہ ہر وقت اصلاح کر دینی چاہیے۔ لہٰذا پڑھائی کے دوران ٹوک دینا ضروری ہوتا ہے چنانچہ اساتذہ پڑھائی کے دوران غلط پڑھنے پر طالب علم کو ٹوک کر کسی بچے سے پوچھتے ہیں بتاؤ اس لڑکے نے پڑھتے وقت کیا غلطی کی۔ بروقت ٹوک دینا یا بعد میں اصلاح کرانا یہ تو جماعت کے معیار، کلاس کی صورت حال اور استاد کے طریقہ کار پر مبنی ہے۔ دونوں ہی طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن طلبہ سے یہ پوچھنا کہ پڑھنے والے نے کیا غلطی

www.urduchannel.in

کی یقیناً غلط قدم ہوگا۔ اس لیے کہ یہ ایک طرح کا ایمائی عمل ہے اور اس کے ذریعے طلبہ میں خواہ مخواہ غلطی ڈھونڈنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ مشقی اسباق کی نگرانی کے دوران راقم الحروف کو اکثر اس کا تجربہ ہوا کہ انفرادی بلند خوانی کے دوران طالب علم نے جو غلطی کی، طالب علم کی بتائی ہوئی غلطیاں اس سے مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا صحیح صورت یہ ہونی چاہیے کہ استاد خود اصلاح کر دے یا طالب علموں سے محض یہ کہے کہ اس کو صحیح پڑھ دو۔

انفرادی بلند خوانی کے دوران استاد کو ان باتوں کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی چاہیے۔

اعراب:

درسی کتب میں عام طور پر زیر، زبر اور تشدید کی علامتوں کو ظاہر نہیں کیا جاتا اس لیے طالب کو پڑھنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ اگر بار بار پڑھوایا جائے اور پڑھائی کی مشق کرائی جائے تو وہ اس دشواری پر قابو پا سکتے ہیں۔ اس طرح طلبہ کو بے کیے بغیر پڑھنے کی عادت ہو جاتی ہے۔

تفصیل:

تفصیل کا مطلب ہے کہ پڑھتے وقت لفظ کے ارکان کو پوری طرح ادا کیا جائے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ تیزی کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے لفظ کی ادائگی کسی قدر مختصر ہو جاتی ہے اور پوری تفصیل ادا نہیں ہو پاتی۔ بعض بچے پڑھائی میں سست رفتار ہوتے ہیں اس لیے پڑھتے وقت لفظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے ہیں اور بعض بچے لفظ کو چبا چبا کر پڑھتے ہیں۔ ان تمام باتوں کی اصلاح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ بار بار پڑھوایا جائے اور طلبہ کو اس بات کی تاکید کی جائے کہ پڑھتے وقت بے تکلفی سے پڑھیں اور روانی اور سلاست کا خیال رکھیں۔ مزید یہ کہ پڑھتے وقت نہ تو جھجکیں اور نہ لکنت کریں۔

تغیرِ لحن

عمدہ بلند خوانی کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ سپاٹ لہجے میں پڑھنے کے بجائے اس طرح پڑھیں کہ تخفیف اور تاکید کی کیفیت واضح ہو جائے۔ تخفیف اور تاکید آواز کے نشیب و فراز کی کیفیت کے نام ہیں۔ ایک میں ہلکی آواز سے پڑھا جاتا ہے اور دوسری کیفیت میں کھینچ کر پڑھا جاتا ہے ہوتا

www.urduchannel.in

یہ ہے کہ پڑھائی کے دوران ایسے الفاظ سے سابقہ پڑتا ہے جن پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ عبارت کا مطلوبہ تقاضا پورا ہو سکے۔ معنوی لحاظ سے بھی تخفیف و تاکید کا اثر پڑتا ہے۔ غصّے کے اظہار کے لیے جن الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے اگر پڑھتے وقت انھیں ہلکے سے پڑھا جائے تو غصّے کی کیفیت کا اظہار نہیں ہو پاتا اسی طرح شفقت کے لہجے میں پڑھے جانے والے لفظ کو اگر غصّے کے لہجے میں پڑھا جائے تو عبارت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ لہٰذا پڑھائی کے دوران تخفیف اور تاکید کا خیال رکھنا چاہیے۔

فقرہ بندی:

فقرہ بندی عبارت خوانی کے اس پہلو کو کہتے ہیں جس میں وقف کی علامتوں کو ظاہر کر کے جملے کو تقسیم کیا جاتے اور اس طرح پڑھا جائے کہ الگ الگ فقرے ہونے کے باوجود عبارت مربوط نظر آئے۔ بلند خوانی کے دوران خاص طور سے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ پڑھائی کے دوران طلبہ دو بے جوڑ فقروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ پڑھیں ورنہ مطلب خبط ہو جائے گا۔

ان خصوصیات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو بلند خوانی یقیناً بہتر ہو سکتی ہے اور فہم و ادراک کی منزل بھی سہل ہو سکتی ہے۔

تلفّظ کی مشق:

انفرادی بلند خوانی کے ساتھ ساتھ طلبہ کے سامنے عبارت پیش کر دی گئی اب استاد کو ان الفاظ کی نشاندہی کر لینی چاہیے۔ جن کے تلفظ میں عام طور پر طالب علموں سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ ان الفاظ کو یکے بعد دیگرے تختۂ سیاہ پر لکھنا چاہیے۔ پہلے خود دو تین بار بآواز بلند ان کا تلفظ ادا کرنا چاہیے۔ پھر طلبہ سے باری باری کہلوانا چاہیے۔ اجتماعی مشق سے انفرادی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہو پاتی اس لیے اجتماعی مشق کا طریقہ اپنانا مناسب نہیں۔ بر تو انفرادی مشق کا معاملہ ہے انفرادی طریقے پر ہی ہو سکتا ہے۔

اخذِ معنی:

پرائمری درجات میں اخذ معنی کا کام اس نہج کا نہیں ہوگا جس نہج پر ثانوی درجات میں ہوتا

www.urduchannel.in

ہے۔ تیسری جماعت کی درسی کتاب میں مشکل سے ایسے الفاظ ملیں گے جنھیں واقعی مشکل الفاظ کی فہرست میں شمار کیا جا سکے۔ ہاں نئے الفاظ ضرور ہوتے ہیں لیکن وہ بھی عام طور پر ایسے الفاظ ہوتے ہیں جنھیں ابتلافِ مادی کے ذریعے پڑھا جا سکے مثال کے طور پر اردو کی تیسری کتاب (مکتبہ جامعہ) میں بیشتر ایسے اسباق ہیں جن میں کوئی مشکل لفظ نہیں۔ البتہ ایسے نام ضرور ہیں جن سے بچے واقف تو ہیں لیکن رشتوں کی معنویت سے مانوس نہیں۔ جیسے خالہ، ممانی، نانی وغیرہ۔ اسی طرح بعض جانوروں سے بچے واقف ہیں لیکن ان کی مختلف بولیوں کو کیا کہتے ہیں یہ نہیں جانتے۔ لہٰذا اس منزل پر اخذِ معنی کا کام یہ ہوگا کہ الفاظ کے ذریعے محسوس اور غیر محسوس اشیا کے نام، ان کی پہچان، مختلف اشیا میں تمیز، الفاظ کے مترادفات اور ان کی معنویت سے طلبہ کو بخوبی واقف کرایا جائے۔ باقاعدہ طور پر الفاظ کے معنی کا کام چوتھی جماعت سے شروع ہوتا ہے۔ عام طور پر الفاظ کے معنی براہ راست بتا دیے جاتے ہیں۔ اس طرح اخذِ معنی کے عمل میں طالب علم کا کوئی اشتراک نہیں ہوتا اس لیے مناسب یہی سمجھا جاتا ہے کہ براہ راست معنی بتانے سے گریز کیا جائے۔ اور طلبہ کی مدد سے معنی اخذ کرانے کی کوشش کی جائے۔ طلبہ کے اشتراک سے معنی بتانے کا کام دو طرح سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مترادف یا متضاد الفاظ کی مدد سے معنی اخذ کرائے جائیں جیسے 'الم' کے معنی بتاتے وقت یہ اندازہ کر لینا ہے کہ طلبہ 'رنج' کے معنی جانتے ہوں گے اور چونکہ دونوں ہی ہم معنی ہیں اس لیے 'الم' کے معنی آسانی کے ساتھ اخذ کرائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح متضاد یعنی الٹے معنی والے لفظ کی مدد سے معنی اخذ کرائے جا سکتے ہیں۔

اخذِ معنی کی اس منزل تک پہنچتے پہنچتے عبارت کی تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عبارت کو خاموشی سے پڑھا جائے اور عبارت میں جو مفاہیم پوشیدہ ہیں ان کی تفہیم پیدا کرائی جائے۔ جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ خاموش خوانی چوتھی جماعت سے شروع کرانی چاہیے اور تیسری جماعت میں زیرِ لب پڑھوانا چاہیے۔

زیرِ لب پڑھنا:

مشقی اسباق کے دوران یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تیسری جماعت کے بچے خاموش خوانی کے تقاضوں کے تحت خاموش خوانی نہیں کر پاتے اس لیے اگر زیرِ لب پڑھائی کا طریقہ اپنایا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔ زیرِ لب پڑھائی میں پڑھائی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہونٹ تو ہلتے ہیں لیکن آواز پورے طور

www.urduchannel.in

پر نہیں نکلتی۔ ایک طرح سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ منہ ہی منہ میں پڑھنے کا ایک عمل ہے۔ عبدالغفار مدہولی صاحب جو جامعہ کے ایک تجربہ کار استاد تھے چھوٹے بچوں کی تدریس میں خصوصی مہارت اور بصارت رکھتے تھے۔ انھوں نے مبتدیوں کو اردو پڑھنا اور لکھنا سکھانے کا برسہا برس تجربہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ تیسری جماعت میں خاموش خوانی یا خاموش مطالعے کے بجائے زیر لب پڑھوانا زیادہ مناسب ہوگا۔ ایک طرح سے یہ بلند خوانی اور خاموش خوانی کی درمیانی کڑی ہے اور اس کے ذریعے طلبہ کو خاموش خوانی کی معقول تیاری کرائی جا سکتی ہے۔

تیسری جماعت تک بچے عام طور پر اپنی پڑھائی درسی کتاب تک محدود رکھتے ہیں۔ اور ان کا ذخیرۂ الفاظ بھی محدود ہوتا ہے اس لیے یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ زیر لب مطالعے کے ذریعے ان طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا کرائی جا سکتی ہے کہ وہ مناسب رفتار سے عبارت پڑھ سکیں اور عبارت کے اندر پوشیدہ مفاہیم کو سمجھ سکیں۔

خاموش خوانی:

خاموشی کے ساتھ عبارت پڑھنے کو خاموش خوانی کہتے ہیں۔ خاموش مطالعہ بھی خاموش خوانی ہی ہے۔ خاموش خوانی کے ذریعے طلبہ میں زود خوانی اور زود فہمی کی صلاحیت پیدا کرائی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ تیزی کے ساتھ عبارت پڑھ سکیں اور مفہوم اخذ کر سکیں۔ پڑھنے کی رفتار تیز کرنے میں اعضائے صوت کی حرکت کو کالعدم کرنا پڑتا ہے یعنی پڑھتے وقت طلبہ لب نہ ہلائیں بلکہ ہونٹوں کی جنبش کے بغیر خاموشی کے ساتھ عبارت پڑھیں۔ خاموش خوانی کا یہ بھی تقاضا ہے کہ مقررہ وقت میں عبارت پڑھ کر مفہوم اخذ کر لیا جائے۔

پڑھنے کی رفتار میں کبھی کبھی نظر کی غیر موزونیت حائل ہوتی ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ عبارت پڑھتے وقت نظر بیک وقت ساری سطر یا عبارت کو عبور کر جاتی ہے۔ لیکن ایسا ہوتا نہیں بلکہ اس عمل کے دوران الفاظ کے ساتھ ساتھ حرکت کرتی ہوئی نظر آگے بڑھتی ہے یہ حرکت مسلسل نہیں ہوتی بلکہ جست میں ہوتی ہے۔ یعنی چھپی ہوئی سطروں کے ساتھ ساتھ نظر تھوڑی حرکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے اور پھر ٹھہر جاتی ہے۔ اسی دوران پڑھنے والا الفاظ، فقرے اور جملے پڑھتا جاتا ہے اور اس پورے عمل میں نظر الفاظ سے آگے دوڑتی رہتی ہے۔ اس وقفے کو حلقۂ مطالعہ کہتے ہیں۔ اسی وقفے میں الفاظ، فقروں اور جملوں کی شناخت اور اخذ مفہوم کا مرحلہ طے

www.urduchannel.in

ہوتا ہے۔ پڑھائی کے دوران ایک حیطۂ مطالعہ میں الفاظ کی جتنی اکائی بنتی ہے وہ ایک وحدہ کہلاتی ہے اگر جستیں مختصر ہوں گی تو حیطۂ مطالعہ بھی مختصر ہوگا اور ان کے درمیان وحدے بھی بے معنی ہوں گے۔ اس کے سبب مطالعہ ناقص رہ جائے گا اور تفہیم کا عمل بھی ناقص رہ جائے گا۔ اس لیے اساتذہ کو اس کام میں خصوصیت کے ساتھ طالب علموں کی رہنمائی کرنی چاہیے تاکہ حیطۂ مطالعہ بھی طویل ہو اور زیادہ سے زیادہ بامعنی وحدے حیطۂ مطالعہ میں شامل ہوں۔ اس طرح مفہوم کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مطالعے کی ان باریکیوں پر غور کرنے کے بعد یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اساتذہ خاموش خوانی کے آداب کا پورا خیال رکھیں۔ خاموش خوانی کے لیے طالب علموں کو واضح ہدایات دینی چاہییں۔ مندرجہ ذیل باتیں اس سلسلے میں مفید ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ مقررہ وقت میں عبارت کو خاموشی سے پڑھا جائے۔
۲۔ پڑھتے وقت مکمل خاموشی رہنی چاہیے۔ کسی قسم کی آواز نہیں نکلنی چاہیے۔
۳۔ پڑھتے وقت صرف نظر سے کام لینا چاہیے، ہونٹ نہیں ہلنے چاہییں۔
۴۔ انگلی، پنسل یا کسی اور چیز کے سہارے نہیں پڑھنا چاہیے۔
۵۔ پڑھتے وقت سیدھے بیٹھنا چاہیے اور کتاب بھی سیدھی رکھنی چاہیے۔
۶۔ خاموش خوانی کے بعد فوراً کتاب الٹ دینی چاہیے تاکہ استاد کو معلوم ہو جائے کہ طلبہ کے خاموش خوانی ختم کر لی ہے۔

تفہیم عبارت:

خاموش خوانی کے بعد تفہیم عبارت کی منزل آتی ہے۔ تفہیم کی کئی سطحیں ہوتی ہیں۔ پہلی سطح تو یہ ہوتی ہے کہ الفاظ کی مدد سے اشیا کی شناخت اور مختلف اشیا میں تمیز کرائی جا سکے۔ اور محسوس اور غیر محسوس کی جانب اشارے کیے جا سکیں یعنی الفاظ جن محسوس اشیا کی نمایندگی کرتے ہیں، ان کی نشاندہی کی جا سکے اس کے بعد اخذِ معنی کی منزل آتی ہے۔ اخذِ معنی کے ساتھ ساتھ مترادفات اور مرکبات سے بھی واقفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد عبارت کی تشریح و توضیح، مرکبات کی تحلیل، صرفی و نحوی نکات سے آگاہی اور استحسانِ ادب کی منزل آتی ہے۔

پرائمری درجات کے لیے تفہیم کی محض ابتدائی سطحوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور اس بات کی

www.urduchannel.in

کوشش کرنی چاہیے کہ ایتلافِ مادّی کے ذریعے مفہوم تک طلبہ کی رہنمائی کی جائے۔ اس منزل پر وہ بول چال کی جس زبان سے واقف ہوتے ہیں اسی زبان سے پڑھائی کے دوران ان کو سابقہ پڑتا ہے۔ اس لیے کہ عام طور پر ان درسی کتب میں وہی زبان استعمال ہوتی ہے جو بول چال میں استعمال ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر صورتوں میں تفہیم کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس منزل پر نفسِ مضمون سے واقفیت پیدا کرانا، الفاظ کی پہچان کرانا اور ان کے عملی استعمال سے واقفیت پیدا کرانا مقصود ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ذخیرۂ الفاظ میں وسعت اور لسانی عادتوں میں استحکام پیدا کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور نفسِ مضمون سے بھی واقف کرایا جاتا ہے۔

زبان کا کام:

نثر کے ہر سبق سے متعلق آخر میں تھوڑا بہت زبان کا کام دیا ہوتا ہے۔ جو سوالات یا عملی کام کی شکل میں ہر سبق کے آخر میں موجود ہوتا ہے۔ ان میں الفاظ کے استعمال سے لے کر جملوں کی تکمیل تک کئی قسم کے کام تجویز کیے جاتے ہیں۔ استاد اگر زیادہ محنت نہ کرنا چاہے تو کم سے کم اس حد تک تو تحریری کام کروا سکتا ہے کہ جن الفاظ کے معنی بتائے گئے ہیں ان کو جملوں میں استعمال کراتے، مترادفات کو لکھوائے اور پڑھائے ہوئے اسباق کی بنیاد پر آسان اور سیدھے سادے سوالوں کے جواب لکھوائے۔ اس طرح لسانی مہارتوں کے ساتھ ساتھ تحریری مہارتوں کی بھی مشق کرائی جا سکتی ہے۔

عام طور پر درسی کتب میں ایسے سوالات دیے ہوتے ہیں جن کا تعلق قواعد سے ہوتا ہے۔ لڑکا آیا، لڑکی آئی، میرا گھر میری کتاب، اس کا بستا، اس کی پنسل اور اس طرح کے جملے طلبہ سے بنوائے جاتے ہیں یا سبق میں ٹٹو کا نام آیا ہے اور ٹٹو ایک پالتو جانور ہے۔ ایسے اور پالتو جانوروں کے نام لکھوائے جا سکتے ہیں اور سیکھی ہوئی زبان کو تحریر میں استعمال کرایا جا سکتا ہے۔

پرائمری درجات میں چونکہ زبان کی تعلیم سے ادب کی تعلیم مقصود نہیں بلکہ محض زبان کی ساخت اور زبان کا استعمال سکھانا مقصود ہوتا ہے اس لیے تدریسِ نثر کے دوران زیادہ زور اسی بات پر دینا چاہیے کہ طلبہ زبان کے عملی استعمال سے واقف ہو سکیں اور ان بنیادی مہارتوں کی تربیت حاصل کر سکیں جو زبان سیکھنے میں معاون ہوتی ہیں۔

www.urduchannel.in

۱۴۔ تدریسِ نظم

تدریسی نظریات:

پرائمری درجات میں نظم کی تدریس، تدریس زبان کا ایک اہم حصّہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے بچّوں کے ذوق کی تربیت کی جاتی ہے۔ شعر و نغمے سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت بچّوں میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بچّے کی زبان ہی شعر ہوتی ہے۔ اور بچّہ پیدائشی طور پر شاعر ہوتا ہے۔ بچّے اور شاعر دونوں میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ دونوں ہی نئی دنیا اور اچھوتے خیالات کی جستجو میں رہتے ہیں۔ شاعر کے لیے ہر تخلیق اچھوتی ہوتی ہے اور اس کے اظہار کا ڈھنگ بھی نرالا ہوتا ہے اس طرح بچّے بھی جب کسی نئے تجربے، نئے مشاہدے اور اچھوتے خیال سے دوچار ہوتے ہیں تو نرالے ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں۔ تخلیقی اظہار کا یہ دور بہت مختصر ہوتا ہے اس لیے زبان کے استاد کا خصوصی منصب یہ ہے کہ تخلیقی اظہار کے اُن سوتوں کو خشک نہ ہونے دے۔ نظم کی تدریس اس لحاظ سے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔

شعر، سماعت کا فن ہے۔ اس لیے شعر پڑھنے کا طرز عمدہ ہونا چاہیے۔ شعر کو نثر کی طرح نہیں پڑھا جاتا۔ نثر میں جملہ پڑھا جاتا ہے لیکن شعر میں خیال۔ اوقاف کے ذریعے خیالات کو پڑھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ گویا جہاں جہاں خیال توقف کرے، پڑھنا بھی موقوف کر دینا چاہیے۔ سماعت کا آرٹ ہونے کی وجہ سے شعر کا تقاضا یہ ہے کہ باآوازِ بلند پڑھا جائے۔ گویا اس طرح پڑھا جائے کہ کانوں کو بھلا لگے۔ لہٰذا پڑھتے وقت مصرعوں کی موزونیت کا خاص طور سے خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ الفاظ کی موسیقی سے لطف اٹھایا جا سکے۔ شعر میں ہیئت بھی ہوتی ہے اور موڈ بھی۔

www.urduchannel.in

اگر شعر درد کے جذبات سے لبریز ہے تو خیالات بھی اسی سے مطابقت رکھتے ہوں گے اور پھر خیالات کی مناسبت سے الفاظ کا بھی انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر سرور و شادمانی کی کیفیت کی ترجمانی کی گئی ہے تو خیالات اور موزونیت کے لحاظ سے الفاظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

شعر کی مختلف ہیئتوں کے الگ الگ نام ہیں جنھیں اصنافِ سخن کہا جاتا ہے، جیسے غزل قصیدہ، مثنوی اور نظم۔ نظم کا اسلوب عام طور پر بیانیہ ہوتا ہے اور خیالات میں تسلسل قائم رہتا ہے۔ —— پرائمری درجات میں محض نظم پڑھائی جاتی ہے دیگر اصنافِ سخن کو ثانوی اور اعلا منزل تک موقوف رکھا جاتا ہے۔ اسی لیے نصابی کتابوں کے لیے ایسی نظموں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو بیانیہ اسلوب کی حامل ہوں۔ حکائی نظمیں بھی بچوں کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔ عام طور پر درسی کتابوں میں تخیلی، بیانیہ، حکائی اور قومی نظمیں شامل ہوتی ہیں۔

تدریسِ نظم کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالب علم، موثر انداز سے نظم پڑھ کر اس سے لطف اندوز ہو سکے اور ان جذبات، خیالات اور محسوسات سے متاثر ہو سکے جو شاعر نے نظم میں پیش کیے ہیں ان مقاصد کے پیشِ نظر طالب علم کے لیے نظم خوانی ضروری ہے یعنی وہ موثر پیرائے میں بآواز بلند نظم خوانی کرے اور نظم خوانی کے دوران مصرعوں کی موزونیت، آہنگ اور قرأت کا خیال رکھے۔ لطف اندوزی کے لیے مناسب لب و لہجے میں نظم پڑھنا ضروری ہے۔ لطف اندوزی کے عمل میں تفہیم شعر کی بھی اہمیت مسلّم ہے۔ یہ تصوّر بڑی حد تک صداقت پر مبنی ہے کہ شعر سے لطف اٹھانے کے لیے شعر کا سمجھنا ضروری ہے۔ شعر فہمی ناگزیر ہے لیکن شعر فہمی کیسے کرائی جائے یہ مسئلہ یقیناً غور و فکر کا متقاضی ہے۔ شعر فہمی کے لیے الفاظ کے معنی جاننا اور صحتِ تلفظ کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اسی تصوّر کے تحت اکثر اساتذہ صاحبان نظم پڑھاتے وقت الفاظ کے تلفظ اور اخذِ معنی کا کام اسی طرح کراتے ہیں جیسے نثر کے سبق میں کراتے جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض اساتذہ اردو اخذِ معنی کے بعد خاموش مطالعہ بھی کراتے ہیں اس کے بعد تفہیم شعر کی منزل آتی ہے۔ اساتذہ کے تربیتی اداروں میں تدریسِ نظم کے جو طریقے بتائے جاتے ہیں ان کے درمیان بھی مختلف زبانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ہندی کے اساتذہ عام طور پر تدریسِ نظم کا وہی طریقہ اپناتے ہیں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مناسب طریقۂ تدریس کا تعین کس بنیاد پر کیا جائے۔ اس ضمن میں اوّلین قابلِ لحاظ نکتہ یہ ہے کہ جس صنفِ سخن کی تدریس مقصود ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ پھر یہ غور کرنے

www.urduchannel.in

کی ضرورت ہے کہ کسی مخصوص صنفِ سخن کی تدریس سے طلبہ میں کسی قسم کی تحصیل مقصود ہے۔ یعنی اس کے ذریعے ہم طلبہ میں کن خصوصیات اور اقدار کا فروغ چاہتے ہیں۔ اب تیسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے کون سا طریقۂ تدریس اپنایا جائے۔

صنفِ سخن کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ نظم، نثر سے مختلف ہے دونوں کا اسلوب جدا ہے۔ نثر کا اسلوب، وضاحت اور صراحت کا ہے اور نظم کا رمزیہ اور علامتی اس لیے نظم و نثر کی تدریس کے مقاصد بھی علاحدہ ہوں گے اور طریقۂ تدریس بھی مختلف ہوگا۔

لطف اندوزی کے لیے شعر فہمی کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن الفاظ کے معنی معلوم کر لینے سے شعر فہمی پیدا ہونا ضروری نہیں۔ ایسے بہت سے اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں ایک بھی لفظ مشکل نہیں لیکن تفہیمِ شعر کی منزل دشوار نظر آتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اخذِ معنی کے بغیر لطف اندوزی کی کیفیت تشنہ رہ جاتی ہے۔ لہٰذا مناسب صورت یہ ہو سکتی ہے کہ لطف اندوزی کے عمل میں اخذِ معنی کے کام کو اس طرح ہم آہنگ کر دیا جائے کہ اخذِ معنی لطف اندوزی کے عمل کا ایک حصہ بن جائے۔ یعنی بات چیت اور سوال و جواب کے ذریعے اس پیرائے میں لطف اندوزی کا عمل بروئے کار لایا جائے کہ مفاہیم خود بخود روشن ہو جائیں۔

تدریسی اقدامات:

اِن مباحث کے پیشِ نظر تدریسی اقدامات کے لحاظ سے بھی نظم کا سبق نثر کے سبق سے مختلف ہوگا۔ دونوں کے اسالیب مختلف ہیں اور دونوں کے تقاضے بھی جدا ہیں اس لیے تدریسی طور و طریق بھی مختلف ہوں گے۔ نظم کے سبق کے اقدامات حسبِ ذیل ہوں گے۔

تمہید:

نظم کی نوعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نظم کی تمہید اٹھائی جاتی ہے۔ اگر نظم بیانیہ ہے تو اس کی تمہید اخلاقی نظم کی تمہید سے مختلف ہوگی۔ اسی طرح اگر نظم حکائی ہے تو نظم کا خاکہ مختصر طور پر پیش کرنا مناسب ہوتا ہے۔ قومی نظم کی تمہید اٹھاتے وقت اس شخصیت، اس ماحول یا اس واقعے کا پس منظر ملحوظ رکھنا چاہیے جس سے متاثر ہو کر نظم کہی گئی ہے۔ تمہید موضوعی، واقعاتی ہو یا اخلاقی اس میں دلچسپی کا عنصر ضروری ہے۔ تاکہ طلبہ سبق کی جانب متوجہ ہو سکیں اور ان میں نظمیں پڑھنے، نظمیں یاد کرنے اور

www.urduchannel.in

نظموں سے لطف اٹھانے کا شوق پیدا کر سکے۔

تمہید کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لیے تصاویر، خاکے اور مصور سے استفادہ کیا جا سکتا ہے سوال و جواب اور بات چیت کے ذریعے طلبہ کو نظم کی جانب متوجہ کرایا جا سکتا ہے اور ان کے شوق کو ابھارا جا سکتا ہے۔ سوالات کے آخر میں موزوں گریز کے سوالات کے ذریعے ایسا نفسیاتی لمحہ پیدا کیا جا سکتا ہے جس میں اعلانِ مدعا کے ساتھ طلبہ میں استعجاب کی کیفیت پیدا ہو جائے اور وہ نظم کی جانب مائل ہو جائیں۔

بحیثیت مجموعی تمہید دلچسپ ہونی چاہیے، تمہیدی گفتگو کے دوران سابقہ معلومات کا جائزہ لینا چاہیے اور نظم کے موضوع کی طرف گریز کرنا چاہیے۔

اعلانِ سبق:

اعلانِ سبق کی منزل پر اگر طلبہ کے سامنے نظم کی خصوصیات واضح کر دی جائیں اور قابلِ غور باتوں کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو طلبہ زیادہ دلچسپی اور شوق کے ساتھ نظم پڑھنے کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ یعنی یہ تمہید اور سبق کے پیش کش کی درمیانی منزل ہے۔

نمونے کی بلند خوانی:

اس منزل پر اُستاد، نظم کو طلبہ کے سامنے پیش کرتا ہے یعنی موثر ڈھنگ سے نظم پڑھ کر سناتا ہے اور پڑھتے وقت، وزن، قافیہ، لحن، الفاظ کی موسیقی اور ترنم کا خاص طور سے خیال رکھتا ہے۔ بلند خوانی سے پہلے طلبہ کو یہ واضح ہدایات ہونی چاہییں کہ بلند خوانی کے دوران غور سے سنیں اور نظم خوانی سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں۔ پرائمری درجات کی درسی کتب میں طویل نظمیں نہیں ہوتیں اس لیے پوری نظم ایک ساتھ سنا دینی چاہیے۔

انفرادی بلند خوانی:

بلند خوانی کے بعد ذرا دیر کا وقفہ دینا چاہیے تاکہ طلبہ کے ذہن پر نظم خوانی کا تاثر قائم ہو سکے۔ اس کے بعد باری باری طلبہ سے نظم پڑھوانی چاہیے۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ طالب علم انفرادی بلند خوانی میں شریک ہو سکیں انفرادی بلند خوانی کے دوران حسب ذیل پہلوؤں توجہ دینا

www.urduchannel.in

ضروری ہے۔

۱۔ پڑھتے وقت وزن، قافیہ اور ردیف کا خیال رکھنا۔

۲۔ پڑھتے وقت اضافتوں کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھنا۔

۳۔ حرفِ واؤ کی ربطی صورت میں واؤ معدلت کی آواز کو ادا نہ کرنا۔

۴۔ موزوں مقامات پر وقفوں کا استعمال کرنا اور اوقاف کا پاس رکھتے ہوئے نظم کو مناسب لب ولہجے کے ساتھ پڑھنا۔

۵۔ نظم کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے موثر ڈھنگ سے پڑھنا۔

عام طور پر جماعت کا معیار یکساں نہیں ہوتا۔ بعض طالب علم پڑھائی میں بہت کمزور ہوتے ہیں وہ معمولی کو موزوں طور پر نہیں پڑھ پاتے۔ اُستاد کو چاہیے کہ ایسے بچوں پر خصوصی توجہ دے اور ان کو نظم خوانی کا زیادہ سے زیادہ موقع دے۔

ابتدائی دو تین جماعتوں میں عام طور پر بچے مناسب لب ولہجے کے ساتھ نظم خوانی نہیں کر پاتے۔ اگر جماعت کا معیار بہت پست ہو تو نظم خوانی کا ماحول پیدا کرنے کے لیے اجتماعی طور پر بلند خوانی کرائی جا سکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جماعت کا وہ طالب علم جو موثر ڈھنگ سے نظم پڑھ کر سنا سکتا ہو، نظم پڑھ کر سنائے۔ باقی طلبہ اجتماعی طور پر باآوازِ بلند تقلید اُستاد جب یہ محسوس کرے کہ طلبہ نظم کو بے جھجک پڑھ سکتے ہیں اس وقت اُن سے انفرادی بلند خوانی کرائی جا سکتی ہے۔

تفہیمِ شعر:

پرائمری منزل پر نظم کی تفہیم و تحسین میں نمایاں امتیاز کرنا مناسب نہیں تاہم تدریسی تقاضوں کے پیشِ نظر دونوں اقدامات کو یہاں علاحدہ علاحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اعلا جماعتوں میں تو یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے شعر کی تفہیم کرائی جائے بعد میں شعر کی نزاکتوں کی جانب متوجہ کرایا جائے۔ لیکن پرائمری منزل پر اسلوبِ بیان اور شعری محاسن کا ذکر بے محل ہوگا۔ زیادہ معقول صورت یہ نظر آئی ہے کہ اشعار میں جو مفاہیم پوشیدہ ہیں انھیں اجاگر کرا دیا جائے اور بعض عام خصوصیات کی جانب توجہ مبذول کرا دی جائے۔ مثلاً کس لفظ کو کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ کیوں دی گئی وغیرہ وغیرہ۔

www.urduchannel.in

تفہیم شعر کے سلسلے میں ایک غلط روایت یہ قائم ہوگئی ہے کہ لفظی و ترکیبی مشکلات دور کرنے کے لیے اشعار کی نثر کرائی جاتی ہے۔ اشعار کی نثر کرانے کا طریقہ، شعر فہمی اور شعری ذوق پیدا کرانے کے حق میں مضر ثابت ہوتا ہے۔ شعر کی نثر کرانے سے شعر فہمی میں کوئی مدد بھی نہیں ملتی۔ مزید یہ کہ ابتدائی درجات کی درسی کتب میں ایسے اشعار بھی نسبتاً بہت کم ہوتے ہیں جن کی نثر ہو سکتی ہو۔

اسی طرح اشعار کی تشریح کا عمل تحسین شعر میں بھی معاون نہیں ہوتا۔ عام طور پر اشعار کی تشریح میں لفظی مفہوم، پیش کردہ تمثیلات کی وضاحت، تشبیہات، استعارات، تلمیحات موزونیت الفاظ کی بحث اور ان سب کی بنیاد پر مرکزی خیال کا اخذ کرانا شامل ہوتا ہے مزید یہ کہ ان سب خصوصیات کو کیسے اجاگر کرایا جائے کہ طلبہ نظم سے لطف اندوز ہو سکیں۔ اگر تشریحی عمل میکانکی ہے تو تحسین شعر کی کیفیت نہیں پیدا ہوگی اور اگر عمل کو تخلیقی بنایا جائے تو فعال طریقے سے اس میں طالب علم کی شرکت بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا زبان و بیان کی خصوصیات کو سوال و جواب اور بات چیت کے پیرائے میں اس طرح پیش کرنا چاہیے کہ طالب علم ان خوبیوں کی تفہیم پیدا کرلے۔ زبان و بیان کی خوبیوں میں الفاظ کا محل استعمال، مترادفات، تشبیہات، استعارات اور تصویر آفرینی شامل ہوتی ہے۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ سوال و جواب کے دوران ان خوبیوں کی جانب موثر اشارے کر دے اور ان کی معنویت کو ذہن نشین کرائے۔

استحسانِ شعر:

استحسانِ شعر کے دوران ادبی محاسن کی طرف واضح اشارات ہونے چاہیں۔ مثلاً تشبیہ کے استعمال سے شعر کے لطف میں اضافہ ہو جاتا ہے یا کسی موقع کی مناسبت سے موزوں الفاظ کے استعمال سے بیان میں شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔

استحسانی سوالات کے ذریعے بحیثیت مجموعی اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی حد تک طلبہ میں نظم سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ پھر انفرادی طور پر طلبہ سے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ نظم میں انھیں کون سے اشعار پسند آئے اور پسندیدگی کی وجہ کیا ہے۔ اس کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ شعر کو اچھے انداز میں پڑھ کر سنائیں۔ پسندیدہ اشعار اگر طلبہ کو حفظ کرا دیے جائیں تو اچھا ہو۔ شعر حفظ کرنا اچھی عادت ہے اس سے طلبہ کے طرزِ گفتگو پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

ابتدائی درجات میں نظم کے ذریعے لطف اندوزی پیدا کرانے کی خاطر نظم کو بار بار پڑھوانے

www.urduchannel.in

پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ اسلوب بیان اور محاسن شعری کی منزل بعد میں آتی ہے۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اگر طلبہ شعری تقاضوں کے تحت نظم خوانی کریں تو اس منزل پر بڑی حد تک لطف اندوزی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر اُستاد وقت نکال سکے اور یہ محسوس کرے کہ کلاس میں اب بھی نظم خوانی کا ماحول نہیں پیدا ہو رہا ہے تو مکرر انفرادی بلند خوانی کرا سکتا ہے۔

تدریس نظم کی کامیابی و ناکامی کا بہت کچھ انحصار اُستاد کے ذوق سلیم پر ہے۔ وہ اساتذہ جو شعر و ادب کا ذوق رکھتے ہیں، اپنے طالب علموں میں بھی شُستہ اور شگفتہ ذوق پیدا کرا سکتے ہیں۔ انھیں کسی مخصوص طریقۂ تدریس کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ وہ طلبہ کے معیار کے لحاظ سے خود اپنا نیا طریقۂ تدریس دریافت کر لیتے ہیں۔

www.urduchannel.in

۱۵۔ تدریسِ انشاء

تدریسی نظریات:

پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے ضمن میں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ تحریر کا گفتگو سے ایک خاص تعلق ہے۔ اسی طرح تحریر کا پڑھائی سے بھی گہرا رشتہ ہے یعنی گفتگو ایک خاص شکل و صورت میں تحریر بن جاتی ہے۔ اور تحریر، پڑھائی کے لیے مواد فراہم کرتی ہے۔ لہٰذا زبان کے ایک باشعور استاد کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ گفتگو کی زبان اور تحریر کی زبان کے درمیان فاصلے کو کم کرے۔ یہ کوشش اس وقت بارآور ثابت ہو سکتی ہے جب استاد اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہو کہ بچہ اگر بولے ہوئے لفظ کی شناخت کرے تو پھر علامتوں میں اس کا اظہار آسان ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ استاد، اپنے شاگردوں میں لکھائی کا صحیح رویہ پیدا کرے اور ان کی مناسب رہنمائی کرے۔

درس و تدریس کے ضمن میں تقریری و تحریری نشو و نما کے تمام مشاغل کا شمار انشا میں کیا جاتا ہے۔ اور انشا کو اظہارِ خیال کا ایک ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

اظہارِ خیال دو طریقے سے ہوتا ہے ایک بول کر یعنی زبانی یا تقریری اور دوسرے لکھ کر یعنی تحریری۔ سہولت کے خیال سے اور عام طور پر مستعمل ہونے کے لحاظ سے اس باب میں تحریری انشا کے بجائے محض انشا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

انشا کی عام طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں یعنی تدریسِ عمل کے دوران استاد کو تین قسم کی انشا کا کام کرانا پڑتا ہے۔ پہلی قسم اس انشا کی ہے جس سے روزمرہ کے کام میں استاد کو سابقہ

www.urduchannel.in

پڑتا ہے۔ یعنی جب وہ اردو کی درسی کتاب پڑھاتا ہے تو ہر سبق کے آخر میں تھوڑا بہت تحریری کام بھی کراتا ہے۔ جیسے الفاظ کو جملوں میں استعمال کرانا یا جملے میں خالی جگہوں کو پُر کرانا یا کسی کہانی کا خلاصہ لکھوانا یا انشا کی اس قسم کو درسی انشا کا نام دیا جا سکتا ہے۔

انشا کی دوسری قسم وہ ہے جس کو مطلق انشا کہا گیا ہے۔ اس کے تحت کسی مقررہ موضوع یا کسی خاص غرض سے تحریری طور پر اظہارِ خیال کرایا جاتا ہے۔ جیسے واقعہ نگاری یا مضمون نگاری یا خط نویسی اور درخواست نویسی وغیرہ۔

انشا کی تیسری قسم وہ ہے جس کا تعلق دیگر مضامین کی تعلیم سے ہوتا ہے مثلاً سماجی علوم یا عام معلومات کی کتاب پڑھتے وقت طالب علم نوٹ لیتا ہے یا سبق کا خلاصہ لکھتا ہے۔ اس سے مضمون کی آموزش میں بہت مدد ملتی ہے۔ ابتدائی درجات میں اس طرح کے آزاد انشا کے کام کی گنجایش بہت کم ہوتی ہے۔

انشا کے ان تمام مشاغل سے طالب علم میں تحریری نشوونما ہوتی ہے ایک طرف اس میں صحت و صفائی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری جانب اس کے ذریعے اس کے خیالات میں صفائی اور منطقی ربط پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ منطقی انداز میں غور و فکر کرنے کا عادی ہو جاتا ہے ان خصوصیات کے باعث طالب علم کی اظہاری قوتوں کی نشوونما ہوتی ہے اور یہ اظہاری قوتیں طالب علم کی آئندہ زندگی میں ترقی کا وسیلہ بنتی ہیں

پرائمری درجات میں تدریس زبان کے دیگر مشاغل کی طرح انشا کی تدریس بھی دو منزلوں پر ہوتی ہے۔ یعنی پہلی منزل پر لکھنا سکھانا مقصود ہوتا ہے اور اس کے ذریعے تحریر کی بنیادی مہارتیں سکھائی جاتی ہیں اور دوسری منزل پر انشا کا کام شروع کرایا جاتا ہے لیکن ان کے مابین ایک درمیانی منزل بھی ہے جس میں طالب علم کو لفظ جوڑ کر جملے لکھنا سکھایا جاتا ہے یہ منزل عبارت نویسی کی ابتدائی اور تعارفی منزل ہے۔ عام طور پر یہ خیال کارفرما ہے کہ تیسری جماعت میں قدم رکھتے وقت طالب علم لکھنا سیکھنے کی بنیادی مہارتیں سیکھ چکا ہوتا ہے اور عبارت نویسی کے لیے پورے طور پر تیار ہوتا ہے۔ لہٰذا انشا کا باقاعدہ کام تیسری جماعت سے شروع ہوتا ہے۔

تیسری جماعت کے لیے انشا کے مشاغل کی تفصیل اس طرح ہے۔

www.urduchannel.in

نقل نویسی

ہم اردو کیسے پڑھائیں

نقل نویسی انشا کا وہ عمل ہے جس کے تحت کسی عبارت کی نقل لکھی جاتی ہے اور لکھتے وقت اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ صاف صاف اور بنا بنا کر لکھا جائے گویا ایک طرح سے یہ خوش خطی کا بھی عمل ہے۔ اس کی مشق سے طلبہ میں صاف صاف بنا بنا کر اور روانی کے ساتھ لکھنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ نقل نویسی کے ذریعے جماعت کا کم و بیش یکساں معیار حاصل کیا جا سکتا ہے

نقل نویسی میں چونکہ عبارت کو دیکھ کر، الفاظ کے ہجوں پر غور کر کے اور ہجوں کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا جاتا ہے اس لیے زیادہ مناسب ہوگا اگر ایسی عبارت کی نقل لکھوائی جائے جو بچے پڑھ چکے ہوں پڑھے ہوئے اسباق میں بچوں کو زیادہ دلچسپی ہو سکتی ہے۔

نقل نویسی سے قبل اس سبق سے متعلق جس کی نقل لکھوانا مقصود ہے، بات چیت یا سوال و جواب کے ذریعے زبانی اظہار خیال ضروری ہے۔ تحریری کام کرانے سے قبل زبانی اظہار خیال کی افادیت پر گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے زبانی اظہار خیال سے تحریری عمل کے لیے ذہنی تحریک بھی پیدا ہوتی ہے

نقل نویسی کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کرانے کے بعد یہ اطمینان کر لینا چاہیے۔ کہ طلبہ کے پاس لکھنے کا سامان اطمینان بخش ہے۔ مثلاً کاپی اور قلم موجود ہے اور کاپی ٹھیک حالت میں رکھی ہوئی ہے بعد ازاں طلبہ کی نشست پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر وہ سیدھے بیٹھ کر نہیں لکھیں گے تو خط بنا بنا کر لکھنے میں دشواری پیدا ہوگی۔ غرض نقل نویسی سے قبل ان کو عام ہدایات دے دینی چاہییں۔ زیادہ بہتر ہو اگر عام ہدایات کے دوران لکھائی کی بعض بنیادی مہارتوں کی جانب طلبہ کی توجہ مبذول کرا دی جائے۔ مثلاً حاشیہ چھوڑ کر لکھیں، سیدھی سطریں لکھیں، الفاظ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھیں۔ اسی طرح الفاظ لکھتے وقت دائرے، شوشے، مرکز اور کشش کا خیال رکھیں۔

عام طور پر نقل نویسی کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا جاتا حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ تمام طالب علموں کو مقررہ وقت کے اندر نقل نویسی کا کام مکمل کر لینا چاہیے۔ اس لیے نقل نویسی کے مقاصد میں زود نویسی بھی ایک مقصد ہے۔

نقل نویسی کی اصلاح اجتماعی طور پر کی جائے تو مناسب ہوتا ہے طلبہ کی کاپیاں دیکھ کر اُستاد، ان غلطیوں کی نشاندہی کر دیتا ہے جو عام طور پر سرزد ہوتی ہیں۔ پھر ان غلطیوں کو صحت

www.urduchannel.in

املا کے ساتھ تختۂ سیاہ پر لکھتا ہے اور طلبہ سے ان غلطیوں کی مشق کرواتا ہے۔ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اس منزل پر غلطیوں کی بھی اصلاح درکار ہوتی ہے۔ استاد کو اس بات کا اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہیے کہ جن غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے ان کی مشق ٹھیک سے ہو گئی ہے۔

نقل نویسی کا کام، گھر کے کام میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ طلبہ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ گھر سے نقل لکھ کر لائیں۔ اس نقل کی تصحیح اور مشق بھی انفرادی طور پر ہونی چاہیے۔

املا نویسی:

املا نویسی کا کام اگر چوتھی جماعت سے شروع کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ تیسری جماعت کے اختتام پر بھی املا نویسی کا آغاز کرایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ جماعت کا معیار اوسط درجے کا ہو اور کم و بیش یکساں ہو۔ اگر معیار پست ہے یا بہت ہی ناہموار ہے تو اس صورت میں تمام طالب موثر ڈھنگ سے املا نویسی نہیں کر پائیں گے۔

املا نویسی کے ذریعے طلبہ کی سمعی تربیت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی جملے کو سن کر ذہن میں محفوظ رکھیں اور مقررہ وقت میں اپنی یادداشت سے بازیافت کر کے صحیح املا کے ساتھ تحریر کر سکیں۔ املا کے ذریعے نہ صرف ہجوں کی مشق کرائی جاتی ہے بلکہ ہجوں کی جانچ کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ یہ طلبہ کی ارادی توجہ کی تربیت کا بھی ایک اچھا ذریعہ ہے۔ بحیثیت مجموعی املا نویسی، سماعت حافظے اور تحریر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرانے کا ایک موثر وسیلہ ہے۔ آئندہ زندگی میں نجی اور سماجی ضرورت کے تحت اس ہم آہنگی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

املا نویسی کے سلسلے میں یہ اصول ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ املا نویسی کے لیے سبق سے جو پارہ منتخب کیا جائے وہ طلبہ کا پڑھا ہوا ہو اور نسبتاً آسان ہو۔ بعض روایتی اساتذہ میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ املا بولنے کے لیے مشکل عبارت کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ رجحان صحیح نہیں ہے اور نہ ہی طلبہ کے لیے سود مند ہے۔ املا بولنے کے لیے کتنی عبارت منتخب کی جائے اس کا تعین بھی ضروری ہے۔

املا نویسی کے لیے زیادہ بہتر صورت تو یہ ہوتی ہے کہ استاد ایک بار مجوزہ پارے یا عبارت کی بلند خوانی کر دے۔ طلبہ کی توجہ مرکوز کرانے کے لیے عبارت سے متعلق دو ایک سوال پوچھ لے۔

www.urduchannel.in

اس کے بعد املا نویسی کا اعلان کر دے۔ لیکن املا نویسی کرانے سے قبل طلبہ کی طرزِ نشست اور آلاتِ تحریر کی نگرانی کر لینی چاہیے۔ املا بولتے وقت استاد کو چاہیے کہ جماعت کے سامنے مرکزی مقام پر کھڑے ہو کر املا بولے۔ املا بولتے وقت پہلے جُز بہ جُز اور پھر پوری عبارت ایک ساتھ بولنی چاہیے۔ بولتے وقت خوش خوانی کے اصول کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تیسری اور چوتھی جماعت میں وقفے اور سوال کے نشان وغیرہ بھی بولنے چاہییں تاکہ طلبہ کو املا نویسی میں کوئی دقت نہ ہو۔

املا نویسی میں اصلاح کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ استاد انفرادی طور پر طلبہ کی غلطیوں کی تصحیح کرے اور ان کی مشق کرائے، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ طلبہ ایک دوسرے سے آپس میں کاپیوں کا تبادلہ کر لیں اور رول اپ بورڈ پر لکھی ہوئی عبارت سے موازنہ کر کے غلطیوں کی تصحیح کر لیں۔ پھر انفرادی طور پر ان کی مشق کر ڈالیں۔ تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ طلبہ اپنی اپنی کتابوں سے خود اصلاح کر لیں۔ کلاس کی صورتِ حال، طلبہ کے معیار اور استاد کی اپنی سہولت کے پیشِ نظر ان میں سے کوئی بھی طریقہ اپنایا جا سکتا۔ لیکن بہر صورت اصلاح کے دوران چند باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۱۔ الفاظ اور حروف کی بناوٹ مکمل ہو۔ اس کے اندر شوشوں اور مراکز کا خیال رکھنا چاہیے جیسے (کر) میں کاف کا مرکز۔ اس کے علاوہ ہائے مخلوط پر توجہ دینی چاہیے۔ اس کی آنکھ کھلی رہنی چاہیے۔ جیسے جھرنا میں دو چشمی (ھ)۔

۲۔ املا کی صحت کے اعتبار سے ان الفاظ کے ہجے پر خصوصیت کے ساتھ نظر رکھنی چاہیے جن کی آوازوں کے لیے دو حروف استعمال کیے جا سکتے ہیں مثلاً ثمر، ث سے لکھا گیا ہو س سے نہیں۔

۳۔ سطریں سیدھی ہوں، لفظوں کے درمیان فاصلہ مناسب ہو پارہ بندی کی گئی ہو اور نشانات کا استعمال بھی کیا گیا ہو۔ جیسے سوالیہ نشان۔

درخواست نویسی:

چوتھی جماعت سے ہی درخواست نویسی کا آغاز کرایا جا سکتا ہے۔ ہیڈ ماسٹر کے نام چھٹی کی درخواست یا فیس معافی کی درخواست لکھوائی جا سکتی ہے۔ درخواست نویسی کے دوران اس بات پر زور دینے کی ضرورت ہوتی ہے کہ عرضِ مدعا کے لیے کم سے کم اور موزوں الفاظ کا انتخاب کیا جائے۔

درخواست نویسی کے لیے القاب و آداب کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے۔ زیادہ اچھا ہو

www.urduchannel.in

اگر اُستاد، طلبہ میں درخواست نویسی کا شوق پیدا کرائے پھر ان سے بات چیت کر کے درخواست کا خاکہ تختۂ سیاہ پر لکھ دے اور ان سے تفصیلات پُر کرنے کو کہے۔

خط نویسی:

چوتھی جماعت سے ہی خط نویسی بھی کرائی جا سکتی ہے۔ خط نویسی کے لیے طلبہ کو آمادہ کرنا ضروری ہے۔ یہ آمادگی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب طلبہ سے شوق انگیز گفتگو کی جائے اور خط نویسی کے لیے انھیں اکسایا جائے۔ ایک اقامتی مدرسے کے استاد، اپنی جماعت کے طالب علموں سے ان کے والدین کے نام اخراجاتِ سرما بھیجنے کے لیے خط لکھوانے پر مُصر تھے۔ طالب علم شور مچا رہے تھے کہ اس کام کے لیے ابھی پچھلے ہی ہفتے نمونے نے خطوط لکھے ہیں۔ لیکن استاد اپنی ضد پر اڑے رہے۔ نتیجہ کیا ہوگا آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ خط میں ذاتی عنصر کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اس لیے استاد کو چاہیے کہ طلبہ میں خط لکھنے کی ضرورت کا احساس دلائے۔

خط نویسی کے لیے آمادگی پیدا کرانے کے بعد زبانی اظہارِ خیال کی منزل آتی ہے۔ بات چیت یا سوال و جواب کے ذریعے زبانی اظہارِ خیال کرایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد نمونے کے خط کا خاکہ تختۂ سیاہ پر لکھا جا سکتا ہے۔ خط کی تفصیلات طلبہ خود پر کر سکتے ہیں۔ اس طرح انھیں اظہارِ ذات کا بھی موقع مل سکتا ہے اور وہ خط لکھنے کی تکنیک سے بھی واقفیت پیدا کر سکتے ہیں۔ خط میں تاریخ، مقام، آداب والقاب۔ ابتدائیہ، مضمون، اختتام، بھیجنے والے کا نام اور لفافے پر پورا پتا درج کرنا ضروری ہوتا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ چوتھی اور پانچویں جماعت کے طلبہ اپنے عزیز و اقارب اور ہم جماعتوں کو سیدھے سادے مختصر خط لکھ سکتے ہیں۔

فارم کی خانہ پُری:

چوتھی اور پانچویں کے طلبہ سے مختلف قسم کے فارم پُر کروائے جا سکتے ہیں۔ جیسے داخلے کا فارم، بس کے پاس کا فارم، راشن کارڈ، منی آرڈر فارم، لیکن فارم پُر کرانے کے سلسلے میں ایک عملی دشواری یہ پیش آتی ہے کہ بس کے فارم، راشن کارڈ، منی آرڈر فارم اردو میں نہیں چھپتے۔ تاہم استاد تختۂ سیاہ پر اردو میں نمونے کے فارم کی خانہ پُری کرا سکتا ہے۔

www.urduchannel.in

مضمون نویسی:۔

ابتدائی سطح پر یعنی پہلی اور دوسری جماعت میں مضمون نویسی ممکن نہیں۔ تیسری جماعت میں اس کا آغاز کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی بھی شکل مضمون نویسی کی نہیں ہوگی بلکہ سوال کے جواب کی شکل میں کچھ جملے لکھوائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ہمارے پالتو جانور کون سے ہیں؟ ان کی خاص پہچان کیا ہے؟ ان کی خاص بولیاں کیا ہیں۔ ان کی خاص خاص عادتیں کیا ہیں؟ طلبہ کو یہ ہدایت ہونی چاہیے کہ وہ ان سوالوں کے جواب مکمل جملے میں ترتیب کے ساتھ لکھیں۔ باقاعدہ مضمون نویسی کا آغاز چوتھی جماعت سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شروع شروع میں بلکہ پھلکے بیانیہ مضامین لکھوانے چاہییں۔ مضامین کے موضوعات کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ موضوع طلبہ کے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر اُستاد، انتخابِ موضوع کے دوران اس بات کا اطمینان کر لے کہ جو موضوع منتخب کیا گیا ہے وہ طلبہ کی دلچسپی کا ہے تو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ انشا کی تدریس موثر ثابت ہوگی۔

موضوع کے انتخاب میں طلبہ کا بھی اشتراک حاصل کر لیا جائے تو زیادہ بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ انتخابِ موضوع میں شخصی تاثر دینے کے لیے عنوان میں اس طرح تبدیلی کی جا سکتی ہے کہ طلبہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ انتخاب انھیں کا ہے اس طرح طلبہ کا فعال اشتراک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر تعلیمی میلے پر اگر مضمون لکھوانا ہے تو عنوان میں تھوڑی سی تبدیلی یوں کی جا سکتی ہے۔ "ہمارا تعلیمی میلا" یا "ہم نے تعلیمی میلا کیسے منایا"۔ اس طرح کی تبدیلی سے ایک شخصی لگاؤ پیدا ہو سکتا ہے اور طالب علم فطری انداز میں اپنے خیالات پیش کر سکتا ہے۔

انتخابِ موضوع کے بعد دوسری اہم منزل زبانی اظہارِ خیال کی ہے۔ زبانی اظہارِ خیال سے تحریری اظہارِ خیال کا بہت گہرا تعلق ہے۔ یہ مسلمہ طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے کہ بچہ اگر بول کر کسی خیال کو ظاہر کرنے کی صلاحیت پیدا کر لے تو پھر لکھ کر خیالات کی ادائگی میں بہت سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انشا کے تمام مشاغل میں اس اصول کو رہنما اصول متصور کرنا چاہیے کہ تحریری اظہارِ خیال سے قبل زبانی اظہارِ خیال ضروری ہے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کی قوتِ متخیلہ کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اور پھر خیالات کو ادا کرنے کے لیے مناسب اور موزوں الفاظ کی جستجو ہوتی ہے۔ اس طرح خیالات میں وسعت اور تحریر میں سہولت

www.urduchannel.in

پیدا ہوتی ہے۔

زبانی اظہارِ خیال کے دوران موضوع سے متعلق خیالات اخذ کرائے جاتے ہیں پھر انھیں خیالات کو نظم و ترتیب کے ساتھ سرخیوں اور ذیلی سرخیوں کے تحت تختہ سیاہ پر لکھ دیا جاتا ہے تاکہ طلبہ کی تحریر میں ربط اور تسلسل پیدا ہو جائے۔ گویا ایک طرح سے مضمون کا خاکہ تیار کیا جاتا ہے پھر طلبہ سے اس خاکے کو پُر کرایا جاتا ہے خاکہ کو پُر کراتے وقت اس بات کی تاکید کر دی جاتی ہے کہ ایک بات کو ایک پارے میں پیش کیا جائے اور مختلف پاروں کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان کے درمیان ربط اور تسلسل قائم رہے۔

مضمون نویسی کے دوران طلبہ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مضمون کی ابتدا ایسے پیرایے میں کرنی چاہیے جن سے موضوع کی جانب مناسب رہنمائی ہوتی ہو۔ مضمون کی مناسب تمہید اٹھانا مضمون نویسی کا ایک اہم حصّہ ہے۔ تمہید کے بعد نفسِ مضمون کی منزل آتی ہے۔ اس منزل پر واقعات یا مشاہدات پیش کیے جاتے ہیں۔ اس موقعہ پر مختلف پہلوؤں کو الگ الگ پاروں میں تحریر کیا جاتا ہے۔ آخر میں اختتامیہ کلمات تحریر کیے جاتے ہیں۔ اختتامیہ کی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ ایک نظر میں مضمون کا خلاصہ سامنے آجائے۔

اصلاح:

ابتدائی درجات میں خصوصیت کے ساتھ انشا کی اصلاح کا کام بہت صبر آزما ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بنیادی منزل ہوتی ہے اور عام طور پر اُن جماعتوں میں طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تحریری اصلاح کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ بچّوں کے بے ساختہ اظہارِ خیال میں رکاوٹ پیدا کیے بغیر تحریر کے نقائص کو دور کیا جائے اور انھیں اس بات کی تربیت دی جائے کہ وہ لکھتے وقت صحیح املا، جملوں کی صحیح ساخت اور عبارت کے ربط و تسلسل کو ملحوظ رکھیں۔

اصلاحِ انشا کے سلسلے میں ایک غلط رجحان یہ رائج ہے کہ اساتذۂ اردو ایسی غلطیوں کو بھی انشا کی غلطی شمار کر لیتے ہیں جو دراصل انشا کی غلطی نہیں ہوتی، مثلاً بدخطی کو بھی انشا کی غلطی میں شمار کر لیا جاتا ہے۔

غلطی املا کی ہو سکتی ہے، اوقاف کی ہو سکتی ہے، قواعد کی یا الفاظ کے استعمال کی۔ بعض طالب علم اچھے جملے لکھنے پر قادر ہوتے ہیں بعض اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پرائمری درجات میں

www.urduchannel.in

اچھے جملے لکھنے پر طلبہ کی تحسین ضروری کرنی چاہیے۔ لیکن اس پر بہت زور نہیں دینا چاہیے کیونکہ اس منزل پر تحریر کی بنیادی مہارتیں سکھانا انشا کا مقصد قرار دیا جاتا ہے۔ اور یہ کام زبانی ہدایت سے نہیں ہو سکتا بلکہ انفرادی طور پر غلطیوں کی اصلاح اور مشق سے پورا ہو سکتا ہے۔ مشق اور ریاضت کے بغیر خاطر خواہ کامیابی کا امکان نہیں ہے۔

www.urduchannel.in

۱۶۔ تدریسِ قواعد

تدریسی نظریات:

قواعد زبان کی ساتنس ہے۔ اس کے ذریعے زبان کی ساخت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ الفاظ کیسے بنتے ہیں، الفاظ اپنی شکلیں اور چولے کیسے بدل لیتے ہیں۔ پھر کس طرح ادا کیے جاتے ہیں۔ لب و لہجے کی تبدیلی سے کس طرح ان کے مفاہیم بدل جاتے ہیں۔ پھر ان الفاظ کو جملے میں کیسے استعمال کیا جاتا ہے اور جملے میں استعمال کرتے وقت ان کی کیا صحیح صورت ہوتی ہے۔ الفاظ جب کسی خاص ترتیب کے ساتھ جملے میں استعمال ہوتے ہیں تو مفہوم کیسے بدلتا ہے۔ ان سب باتوں کی وضاحت اور صراحت، قواعد کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک اعتبار سے قواعد سے زبان کی تشریح ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے زبان کی صحت و عدم صحت کا تعین کیا جاتا ہے۔ گویا قواعد کے ذریعے یہ بتایا جاتا ہے کہ بول کر یا لکھ کر صحت کے ساتھ کیسے زبان استعمال کی جاتی ہے۔

قواعد کی تعلیم و تدریس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے طالب علموں میں قوتِ ارتکاز پیدا ہوتی ہے۔ تخیل، تعقل اور تحلیل و ترکیب کی صلاحیت فروغ پاتی ہے۔ یہ صلاحیتیں شعر و ادب کی تفہیم و تحسین میں معاون ہوتی ہیں۔ لہٰذا زبان دانی کے لیے قواعد کی تعلیم بہت ضروری ہے۔

قواعد مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ زبان کی مختلف مہارتیں پیدا کرانے کا ایک ذریعہ ہے۔ نقل لکھنا ہو یا املا۔ تصویری انشا ہو یا تکمیلِ خیالات، ہر منزل پر قواعد کا علم مفید ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح تقریری انشا میں بھی قواعد کی تعلیم سے مدد ملتی ہے۔

www.urduchannel.in

قواعد کی تعلیم کے متعلق ماہرین کے نظریات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مفکرین کے نزدیک قواعد کی تعلیم ناگزیر ہے اور بعض اس کی افادیت کے منکر ہیں۔ اوّل الذکر نظریے کے حامی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قواعد کے بغیر زبان دانی نامکمل رہ جاتی ہے اور استعمال زبان میں غلط اور صحیح کی پرکھ نہیں ہو پاتی۔ اس لیے قواعد کی تعلیم پر شروع سے ہی توجہ دینی چاہیے۔

آخر الذکر نظریے کے حامی بہت جسارت کے ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنے گھر، خاندان اور ماحول میں قواعد کی مدد سے زبان نہیں سیکھتا بلکہ فطری طور پر نقل کے ذریعے سیکھتا ہے۔ اس مکتب فکر کے حامی تو یہاں تک قواعد کی تعلیم کے منکر ہیں کہ ان کے خیال میں قواعد میں مہارت حاصل کرنے والے طلبہ اکثر و بیشتر زبان کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اور بولنے پڑھنے اور لکھنے میں غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ گویا نصاب اور طریقۂ تدریس دونوں سطح پر قواعد کی تعلیم مضر ثابت ہوتی ہیں۔ نصاب، قواعد کی اصطلاحات کی ایک کھتونی ہوتا ہے۔ اصطلاحات میں معیار بندی کا فقدان ہے اور بیشتر صورتوں میں اصطلاحات بوجھل بھی ہوتی ہیں۔ طریقۂ تدریس کا تو کہنا ہی کیا نہایت ہی خشک اور بے جان ہوتا ہے بلا سوچے سمجھے رٹنے رٹانے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے پیشِ نظر قواعد کی تعلیم مضر ثابت ہوتی ہے۔

غرض قواعد کی اہمیت کے منکر مادری زبان کی تعلیم میں قواعد کی تدریس کے حق میں نہیں ہیں البتہ ان کے نزدیک غیر مادری زبان سکھانے میں قواعد کی تعلیم مفید ثابت ہوتی ہے۔ مادری زبان اور غیر مادری زبان کی تعلیم یکساں طور پر نہیں ہوتی۔ مادری زبان سیکھنے میں بچے کے فوری ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے جب کہ غیر مادری زبان میں لسانی ماحول میسّر نہیں آتا اس لیے قواعد کے ذریعے زبان سکھانا مناسب ہوتا ہے۔

اِن مباحث کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قواعد کا نصاب از سرِ نو تیار کیا جائے۔ نصاب کی موزونیت، قواعد کی تدریس کو موثر بنانے کی لیے ضروری ہے۔ اصطلاحات میں بھی یکسانیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ طالب علم کو اصطلاحات ذہن نشین کرنے میں دقت نہ ہو۔ ہونا یہ چاہیے کہ ابتدا میں سطحی تعارف کے بعد ضروری باتیں پیش کی جائیں بعد میں تفصیلات سے بحث کی جائے۔ بلاغت اور عروض یا اشتقاق کے مسائل اعلا جماعتوں میں داخلِ نصاب کیے جائیں۔ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے کہ قواعد کی ایک ایسی کتاب تیار کی جائے جو جامع ہو پھر غیر ضروری تفصیلات سے پاک ہو۔ اس کتاب میں دور از کار مثالوں سے گریز کیا جائے۔

www.urduchannel.in

کتاب لکھتے وقت بالغوں کے نہیں بلکہ طالب علموں کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا جائے۔ طلبہ کے لیے قواعد کی ایسی کتاب تیار کرنا چاہیے جو اُن کی عمر، ذہنی سطح اور ماحول سے مطابقت رکھتی ہو۔ ابتدائی درجات کے لیے قواعد کی کتاب کی علاحدہ ضرورت نہیں بلکہ درسی کتاب میں ہی قواعد کی ابتدائی باتوں کو اس طرح پیش کرنا چاہیے کہ ان کی وضاحت کے لیے درسی اسباق سے ہی مثالیں فراہم کی جاسکیں اور انشا کے کام سے بھی مربوط کیا جاسکے۔

قواعد کی تدریس کے دو طریقے رائج ہیں (۱) استخراجی (۲) استقرائی

استخراجی طریقہ:

یہ روایتی طریقہ ہے اور عام طور پر اب بھی مدرسوں میں رائج ہے۔ اس کے تحت اصطلاحیں، تعریفیں اور اصول رٹوا دیے جاتے ہیں پھر ان کی مثالیں فراہم کی جاتی ہیں اور نئی صورتِ حال میں ان کا اطلاق کرایا جاتا ہے۔ اُستاد اصطلاحوں کو استعمال کرتا ہے اور ان کی تعریفیں اس طرح بیان کرتا ہے کہ طلبہ ان کی معنویت سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور صحت کے ساتھ زبان میں استعمال نہیں کر پاتے چونکہ استاد کا حکم ہوتا ہے اس لیے جبراً و قہراً تعریفیں رٹ لیتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے رٹی ہوئی معلومات کا جو حشر ہوتا ہے وہی ان تعریفوں کا بھی ہوتا ہے۔ پرائمری درجات کے بچوں کے لیے یہ طریقہ خصوصیت کے ساتھ نہ صرف یہ کہ نامناسب ہے بلکہ مضر بھی ہے اور اکثر صورتوں میں طالب علموں کے لیے ناقابلِ برداشت بھی ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استاد کی ناعاقبت اندیشی سے مادری زبان جیسا مضمون بھی خشک اور بے کیف بن جاتا ہے۔

آموزش کے مسلّمہ اصولوں میں دو اصول بہت اہم ہیں۔ ایک معقولیت سے مجرّد کی جانب اقدام اور دوسرا معلوم سے نامعلوم کی طرف پیش قدمی کرنا۔ یعنی مجرّد تصوّرات، ائتلافِ مادّی کے وسیلے سے پیدا کراتے جاتیں اور ان باتوں کے توسّط سے جو طلبہ کے علم میں ہیں وہ باتیں بتائی جائیں جن کا انھیں علم نہیں۔ تعریفیں رٹنے رٹانے کے طریقے میں یہ دونوں خوبیاں ناپید ہیں۔ اس طریقۂ تدریس کے تحت طلبہ کو ایسی باتیں رٹنی پڑتی ہیں جن کی تفہیم سے وہ قاصر ہوتے ہیں اور استعمالِ زبان میں ان کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مزید یہ کہ قواعد طلبہ کو ایک ایسا مضمون نظر آنے لگتا ہے۔ جو اُن کی زندگی سے بے گانہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ زبان کی

www.urduchannel.in

تدریس سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں پیدا ہوتا اور بحیثیت مجموعی قواعد ایک بے روح اور بے جان سا خشک مضمون بن جاتا ہے۔

استخراجی طریقۂ تدریس میں ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ اس میں طالب علم ذہنی پیش قدمی سے قاصر رہتا ہے۔ قواعد کے مردہ اور بے جان اصولوں کے ذریعے طالب علم میں نہ تو غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور نہ ان کے خیالات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس کے برعکس طلبہ کے خیالات میں بے ربطی اور پراگندگی پیدا ہوتی رہتی ہے۔

استقرائی طریقہ:

استخراجی طریقۂ تدریس کے برعکس استقرائی طریقۂ تدریس کی عام طور پر سفارش کی جاتی ہے۔ اس کے تحت پہلے زبان و ادب سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ مختلف مثالوں کے ذریعے اس کی تفہیم کرائی جاتی ہے اور پھر تعریف اور اصول اخذ کرائے جاتے ہیں۔ ان تعریفوں اور اصولوں کو نئی صورتِ حال میں استعمال بھی کرایا جاتا ہے۔ اس عمل میں طالب علم ایک فعال آموزکار کا منصب ادا کرتا ہے اور نہ صرف بہتر طریقے سے قواعد کی تفہیم و ادراک کرتا ہے بلکہ صحت کے ساتھ اس کا لسانی استعمال بھی کرتا ہے۔

استقرائی طریقۂ تدریس میں مقرون سے مجرّد اور معلوم سے نامعلوم کی جانب اقدام کیا جاتا ہے جو نفسیاتی اعتبار سے بہت صحت مند ہے تدریس کے ہر لمحے میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی ہوتی ہے کہ کسی مضمون کو پڑھاتے وقت ہم لسانیات کے ماہر کی نظر سے مضمون کو نہ دیکھیں بلکہ آموزکار یعنی بچے کے نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ یہ نظر عام طور پر نفسیات کے عملی مطالعے سے پیدا ہوتی ہے۔

استقرائی طریقہ، استخراجی طریقے کے مقابلے میں زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اس لیے اس میں رٹنے رٹانے پر کم زور ہوتا ہے اور بچوں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ اپنی سابقہ معلومات سے استفادہ کر سکیں۔ مثالوں کے ذریعے جو اصول اخذ کیے جاتے ہیں وہ جلدی ذہن نشیں ہو جاتے ہیں اور ان کے ذریعے فکر، فہم اور تعقل کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اسی لیے طفل مرکز تعلیم کے حامی عام طور پر اسی طریقۂ تدریس کی سفارش کرتے ہیں۔

عملی قواعد:

ابتدائی درجات میں اگر قواعد کی تعلیم مقصود ہو تو کلیتاً استقرائی طریقۂ تدریس اپنانا چاہیے۔

www.urduchannel.in

البتہ اعلا جماعتوں میں استخراجی طریقہ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ لیکن استخراجی اور استقرائی طریقۂ تدریس کی افادیت اور موزونیت سے قطع نظر ابتدائی درجات میں خصوصیت کے ساتھ عملی قواعد کا طریقہ مناسب رہتا ہے۔ پہلی اور دوسری جماعت کی سطح پر تو قواعد پڑھانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ یہ منزل پڑھنا اور لکھنا سکھانے کی منزل ہے۔ لہٰذا تیسری جماعت سے اس کا آغاز کرنا چاہیے، جملوں سے عملی قواعد کے ذریعے ابتدا کرنی چاہیے اور اسباق پڑھانے کے دوران قواعد کی ابتدائی صورتوں سے آشنا کرانا چاہیے۔ مثلاً کشمیر پر ایک سبق درسی کتاب میں شامل ہے۔ اس سبق کو پڑھانے کے دوران جہاں لہجے اور تلفظ کی مشق کرائی جائے، ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرایا جائے وہیں اس سبق کے توسط سے اسم معرفہ کے بارے میں بتا دینا چاہیے۔ مثلاً کشمیر ایک ریاست کا نام ہے۔ پنجاب ریاست کا نام ہے۔ اس طرح کی تمام ریاستوں کے نام اسم معرفہ کہلاتے ہیں اسی طرح تمام اشخاص کے نام اسم معرفہ کہلاتے ہیں۔ یہ طریقہ عملی قواعد کا طریقہ کہلاتا ہے۔ اس طریقۂ تدریس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے استاد کو تھوڑی محنت بھی کرنی ہوتی ہے۔ انھیں اسباق کو پڑھانے سے قبل خود پڑھنا ہوتا ہے تاکہ وہ یہ اندازہ کرسکیں کہ کون سے اسباق میں جو سبق پڑھانے کے دوران، قواعد کی بنیادی باتوں کی تعلیم کے لیے موزوں ثابت ہوسکتے ہیں۔

عملی طریقۂ تدریس میں مشق اور انطباق کا کام ہر سبق کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ ابتدا میں طویل مشقوں سے گریز کرنا چاہیے۔ دراصل وہ اصول جو مطالعۂ سبق کے دوران اخذ کیے گئے ہوں ان کی مشق، مطالعے اور انشا میں ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا انشا کے کام سے قواعد کے کام کو بخوبی مربوط کیا جاسکتا ہے۔

عملی قواعد کے ذریعے طلبہ کو زبان کے استعمال کے عملی پہلوؤں سے روشناس کرادیا جاتا ہے، اس کی باقاعدہ اور ترتیب وار تعلیم ثانوی سطح پر مناسب ہوتی ہے۔

www.urduchannel.in

۱۷۔ طریقۂ امتحان اور جانچ

روایتی طریقۂ امتحان:

آزادی کے بعد تعلیمی دستور میں کئی قسم کی اصلاحات عمل میں آئی ہیں۔ ان میں امتحان اور طریقۂ امتحان خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں سرکاری و نیم سرکاری دونوں سطحوں پر کافی غور و خوض کیا گیا ہے اور امتحان کے مروّجہ طریقے کو روایتی اور فرسودہ بتایا گیا ہے۔ عام طور پر مروّج یہ امتحان موضوعی یا مضمونی امتحان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ طریقۂ امتحان کئی اعتبار سے ناقص ہے۔ اوّل تو یہ کہ اس کے ذریعے تمام تعلیمی مقاصد کے حصول کی جانچ نہیں ہو پاتی اور دوم یہ کہ اس میں معروضیت کی گنجایش بہت کم ہوتی ہے اس امتحان کو موضوعی اس لیے کہتے ہیں کہ جانچ کی صحت کا انحصار ممتحن کی ذاتی پسند و ناپسند پر ہوتا ہے اور اس کو مضمونی امتحان اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس امتحان میں مواد مضمون کے کسی خاص عنوان سے بحث کی ہوتی ہے اور رٹی رٹائی معلومات کی جانچ کی جاتی ہے۔ تعلیم کے دیگر پہلو اس کے دائرۂ عمل سے خارج ہوتے ہیں۔

کوٹھاری کمیشن نے جانچ اور اور جانچ کے طریقے سے متعلق خصوصیت کے ساتھ بحث کی ہے کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جدید طریقۂ امتحان کا استعمال تعلیمی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ استاد کے فرائض میں ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی ترقی کا جائزہ لیتا رہے اور اس بات کا مسلسل اندازہ لگاتا رہے کہ جماعت کا معیار کیا ہے، شاگردوں کی انفرادی دشواریاں کیا ہیں اور ان کی

www.urduchannel.in

دشواریوں کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں ایک تو یہ کہ جانچ کا کام مسلسل ہوتے رہنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ جو استاد پڑھائے وہی شاگردوں کی جانچ کا بھی کام کرے۔ مزید یہ کہ اس مقصد کے پیشِ نظر روایتی طریقۂ امتحان کو ترک کر کے امتحان کے جدید طریقے اپنائے۔

جدید طریقۂ امتحان:

امتحان اور جانچ کے روایتی تصور کے برعکس جدید تصور وہ ہے جس کو "اندازۂ قدر" کا نام دیا گیا ہے۔ اس تصور کے تحت طالب علم کی ترقی کا مسلسل جائزہ لیا جاتا ہے اور اس بات کا پتا لگایا جاتا ہے کہ طالب علم نے کیا سیکھا اور کیا نہیں اور اگر وہ نہیں سیکھ پایا تو اس کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں۔

اندازۂ قدر ہر چند کہ جدید ہے لیکن فی الحقیقت جدید ہے نہیں اس لیے کہ اس کا استعمال کافی دنوں سے رائج ہے لیکن موضوعی اور مضمونی امتحان کے مقابلے میں اس کو اس لیے جدید کہتے ہیں کہ اس کا استعمال ابھی عام نہیں ہوا ہے اور آج بھی اساتذہ اس کے استعمال میں حیلا و حجت سے کام لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں 'اندازِ نو' سے ڈرنے اور 'طرزِ کہن' پر اڑنے کی روایت بھی کافی مضبوط ہے اس لیے اندازۂ قدر کے طریقے کو ابھی مقبولیت نہیں حاصل ہو پائی ہے۔

اندازۂ قدر:

اندازۂ قدر ایک تکنیکی اصطلاح ہے۔ اس کے ذریعے زیادہ جامع طور پر پیمایش کی جا سکتی ہے لیکن اس کا تصور پیمایش سے وسیع تر ہے۔ پیمایش میں مواد مضمون کے کسی ایک پہلو کی پیمایش کی جاتی ہے۔ اس کا تعلق کسی خصوصی مہارت یا خصوصی قابلیت سے ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اندازۂ قدر کے تحت محض مواد مضمون کی تحصیلی جانچ مقصود نہیں ہوتی بلکہ وسیع تر اغراض و مقاصد کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ شخصیت سے متعلق اقدار کا فروغ بھی پیشِ نظر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ پیمایش کے تصور کے تحت کتنے پہلو پیشِ نظر ہوتا ہے اور کیفیتی پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر اندازۂ قدر کا تصور زیادہ جامع اور وسیع ہے۔

www.urduchannel.in

مروّجہ موضوعی اور مضمونی امتحان میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے تحت کمزور طالب علموں کو چھانٹ دیا جاتا ہے اور اگلی جماعت کے لیے موزوں طالب علموں کا انتخاب مقصود ہوتا ہے جبکہ اندازۂ قدر کے تحت اس بات کا پتا چلانا مقصود ہوتا ہے کہ بچّہ کس پہلو سے کمزور ہے اور کیسے اس کمزوری کو رفع کیا جا سکتا ہے چونکہ اندازۂ قدر ایک مسلسل عمل ہے اس لیے اس کے ذریعے استاد کو مسلسل اس بات کا موقع ملتا رہتا ہے کہ وہ طالب علموں کی ترقی کا جائزہ لے اور اس کی کوتاہیوں کی شناخت کرے۔ طالب علم کی کارکردگی اگر ناقابلِ اطمینان نہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ نصاب مضمون اس کوتاہی کا ذمّے دار ہو۔ ایسی صورت میں نصاب مضمون پر نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے، اس کو بہتر بنایا جا سکتا ہے، طالب علموں کی سابقہ معلومات کو تازہ کرایا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ آموزشی مشاغل میں طالب علم کی رہنمائی کی جا سکتی ہے۔

اندازۂ قدر کے مخالفین بھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ تعلیمی تحصیل تو تعلیمی وظائف کا محض ایک حصّہ ہے ان کے نزدیک طالب علم کے شخصی اور سماجی پہلوؤں پر زور دینا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ طالب علم میں احساسِ تحفّظ پیدا ہوا کہ نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ وہ اپنایت کے جذبے اور خود شناسی کے احساس سے عاری ہے۔ اندازۂ قدر ان خوبیوں کا اندازہ لگانے میں کارگر ثابت نہیں ہوتا مزید یہ کہ جانچ اور گریڈ کے نظام نے ایک ایسے سماج کی داغ بیل ڈالی ہے جس کی بنیاد مسابقت اور مقابلے پر ہے۔ لہٰذا طالب علم کی آموزش نہیں ہو پاتی۔ تحصیل کی بنیاد چونکہ درجہ بندی پر ہوتی ہے اس لیے اس کے تحت محض تھوڑے سے طالب علم سرفہرست ہوتے ہیں، اکثریت بچھڑ جاتی ہے اور ان کی تہذیبی، انتظامی اور سماجی معذوریوں کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔

مخالفین کا ایک گروپ ایسا بھی ہے جو برطانوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہے اس گروہ کا کہنا ہے کہ مقاصد پر مبنی تدریس کے تصوّر کے تحت طلبہ کی درج ذیل باتوں کی جانچ ہونی چاہیے۔

۱۔ طلبہ کے علم میں کن کن باتوں کا اضافہ ہوا ہے۔
۲۔ طلبہ نے کون کون سی نئی مہارتیں سیکھی ہیں۔
۳۔ طلبہ کی سمجھ بوجھ کن معاملات میں بڑھی ہے۔
۴۔ انسان فطرت اور سماج کے بارے میں طالب علم کے رویّوں میں کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

www.urduchannel.in

۵۔ طلبہ نے کن کن معاملات میں دلچسپی پیدا کی ہے۔

معترضین کا کہنا ہے کہ اوّل الذکر تین رقبوں میں تو تعلیمی مقاصد کی جانچ کی جا سکتی ہے اور اس جانچ کے لیے مناسب اور موزوں طریقۂ کار بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن آخر الذکر دو رقبوں میں طلبہ کی تحصیلی جانچ ممکن نہیں۔ رویّوں کی جانچ کا معاملہ کسی قدر پیچیدہ بھی ہے اور دشوار بھی پیچیدہ اس اعتبار سے کہ اس کے لیے مختلف قسم کے آلاتِ پیمایش کا استعمال کرنا ہوتا ہے اور اس کی تیاری میں کئی اہم نفسیاتی اور سماجی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ دشوار اس اعتبار سے کہ انسان کا ظاہری رویّہ ضروری نہیں کہ اس کے باطنی اور حقیقی رویّے کا غمّاز ہو۔ زندگی میں اکثر ایسے مواقع آتے ہیں جب ظاہری رویّہ باطنی رویّے کے برعکس ہوتا ہے۔

ان ملحوظات کے باوجود اندازۂ قدر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اس کے ذریعے اس بات کا پتا چل جاتا ہے کہ بچے کی سمجھ میں کیا آ رہا ہے کیا نہیں اور اگر کوئی نکتہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو اس کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں موادِ مضمون کو بھی چھان پھٹک کر دیکھا جا سکتا ہے۔

لیکن زبان میں بمقابلۂ دیگر مضامین اندازۂ قدر کا مرحلہ دشوار ہے اس لیے کہ زبان کی تحصیل عمل بھی ہے اور نتیجہ بھی۔ مثال کے طور پر زبانی اظہار میں الفاظ کے انتخاب، الفاظ کی ترتیب، الفاظ کی ادائگی، خیالات کی صفائی اور لب و لہجے کی تاثیر کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔ اسی طرح تحریری کام میں ہجّے، اوقاف، پارہ بندی، استعمالِ الفاظ اور جملوں کی ساخت پر توجّہ دینا ناگزیر ہے۔ لسانی اظہار کے ان دونوں طریقوں میں میکانکی پہلوؤں کے علاوہ زبان کا ایک تخلیقی پیکر بھی ہوتا ہے۔ نظم کی تدریس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اندازۂ قدر کے تحت استحسانِ شعر کا مرحلہ کسی قدر دشوار ہوتا ہے شعر کسی کو کیوں پسند آتا ہے اس میں شخصی عنصر کا بہت دخل ہوتا ہے اس میں معروضیت پیدا کرنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ استحسانِ شعر ایک عمل بھی ہے اور نتیجہ بھی۔ محض مترنّم بحروں، الفاظ کے مناسب استعمال اور خیالات کی ندرت سے شعر کی تاثیر نہیں بڑھتی بلکہ ان سب کے ماورا بھی کوئی خصوصیت ہوتی ہے جو اسلوبِ بیان میں ندرت پیدا کر دیتی ہے۔

www.urduchannel.in

جانچ کا طریقہ:-

ان تمام مباحث کے باوجود، زبان کا استاد تحصیلِ زبان کی جانچ کے لیے معقول طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ اگر استاد کو اس بات کا پتا چلانا ہے کہ شاگردوں کو جو کچھ پڑھایا گیا ہے وہ کس حد تک اس کا اکتساب کر پائے ہیں تو اس کے لیے تحصیلی جانچ کا پرچہ تیار کر سکتا ہے۔ اگر پڑھانا شروع کرنے سے قبل اس کو اس بات کی جانچ کرنی ہے کہ طالب علم کیا جانتے ہیں اور کیا نہیں تو اس کے لیے تشخیصی جانچ کا پرچہ مرتب کر سکتا ہے اور اگر یہ دریافت کرنا ہے کہ شاگردوں نے جو کچھ سیکھا تھا اس میں سے کتنا بھول گئے اور کتنا یاد رکھا ہے تو اس کے لیے اعادی جانچ لی جا سکتی ہے۔ استاد ان تمام آزمایشوں کو اپنی ضرورت اور سہولت کے لحاظ سے استعمال کر سکتا ہے۔ ان آزمایشوں کے ذریعے طلبا کی کارکردگی کی جانچ کی جا سکتی ہے اور نتائج کی کی بنیاد پر جانچ کے پرچے کی معقولیت اور نتائج کی صحت کا تعین کر سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب چونکہ پرائمری درجات سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اندازۂ قدر کے ضمن میں بھی پرائمری درجات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پرائمری منزل پر پہلی دو جماعتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی تحریری جانچ نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا ان دو جماعتوں میں زبانی جانچ کا طریقہ اپنانا ہوگا۔ بعد کی تین جماعتوں میں تحریری جانچ سہولت کے ساتھ دی جا سکتی ہے جانچ زبانی ہو تحریری درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ جانچ کے مقاصد کی صاف صاف وضاحت
۲۔ جانچ کی نوعیت کے اعتبار سے جانچ کے آلات کا استعمال
۳۔ مخصوص مقاصد کے پیشِ نظر جانچ کی تیاری۔
۴۔ معیاری حالات کے تحت جانچ کا استعمال
۵۔ اخذِ نتائج میں احتیاط
۶۔ نتائج کی بنیاد پر جانچ کی ترجمانی

استاد اگر ان ملحوظات کو ذہن نشیں کر لے تو جانچ کی تیاری، انتظام اور نتائج کو مرتب کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر تحصیلی جانچ مقصود ہے تو تحصیلی جانچ کے مقاصد کا واضح طور پر بیان ہونا ضروری ہے۔ مقاصد کے تعین کے بعد دیگر پہلوؤں کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ تحصیلی جانچ میں مختلف مضامین کے لیے مختلف قسم کی جانچ استعمال کی جا سکتی ہے۔ دقوفی مضامین کے لیے تحریری جانچ کا طریقہ موزوں ہوتا ہے مہارتی جانچ کے لیے عملی جانچ

www.urduchannel.in

کا طریقہ تجویز کیا جاتا ہے اور پڑھائی کی جانچ کے لیے زبانی امتحان کا طریقہ مناسب سمجھا جاتا ہے۔

معروضی جانچ:

اندازۂ قدر کے تصوّر کے تحت جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ موضوعیت کے مقابلے میں معروضیت کو مستحسن سمجھا جاتا ہے اس لیے چاہیے ذہانت کی جانچ ہو چاہے تحصیلی جانچ، معروضی طریقہ اپنایا جاتا ہے اور اسی کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ مطلوبہ جانچ موضوعی کے مقابلے میں معروضی ہے اسی لیے زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔

معروضی جانچ میں اس بات کی گنجایش نہیں ہوتی کہ طالب علم اٹکل پچّو جواب دے یا اپنی قابلیت کا جھوٹا رعب جمائے۔ یہاں طالب علم کو نفسِ مضمون کا پابند ہونا پڑتا ہے اور اصل موضوع سے گریز کی گنجایش نہیں نکل پاتی۔ اس میں ممکنہ جوابات کی تعداد مقرر ہوتی ہے چنانچہ اگر اس بات کی جانچ کرنا مقصود ہے کہ طالب علم کس حد تک مضمون کے بنیادی عناصر سے واقف ہے یا مضمون سے متعلق خصوصی اصطلاحات کی جانکاری رکھتا ہے تو معروضی جانچ کا طریقہ نہایت موزوں ثابت ہوگا اس کی رو سے اگر کوئی طالب علم بغیر سوچے سمجھے جواب دے تو اس کو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ معروضی جانچ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ جواب ہر صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔ طالب علم یا ممتحن کی تبدیلی سے نتائج پر کوئی اثر نہیں پڑتا مزید یہ کہ پرچۂ جانچ کا جانچنا بہت آسان ہوتا ہے اس لیے کہ معلومات کی اکائیاں مختصر ہوتی ہیں۔ جانچنے میں وقت بھی کم لگتا ہے۔ سہولت کے ساتھ جانچنے کے لیے جانچ کے پرچے کی کنجی بھی تیار کی جا سکتی ہے لیکن کنجی کے بغیر بھی جانچنے میں بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔

زبانی جانچ:

اس سے قبل اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ پہلی اور دوسری جماعت میں چونکہ طلبہ تحریری جانچ کے قابل نہیں ہوتے اس لیے ان دونوں جماعتوں میں زبانی جانچ کا طریقہ اپنایا جا سکتا ہے۔ ایک معیاری زبانی جانچ کی تیاری کی متعدد کوششیں ہو چکی ہیں لیکن ابھی تک کوئی معیاری زبانی جانچ نہیں تیار ہو پائی ہے اس کے سلسلے میں ایک دقت یہ پیش آتی

www.urduchannel.in

ہے کہ لسانی اظہار کے سامپل فراہم کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جوں ہی کسی طالب علم کے زبانی اظہار کو ریکارڈ کیا جانے لگتا ہے وہ چوکنا ہو جاتا ہے اور اس کا زبانی اظہار نارمل نہیں رہ پاتا اگر کوئی ایسی صورت دریافت ہو پائے کہ قائل کے علم میں لائے بغیر اس کی گفتگو ریکارڈ کی جا سکے تو اس دشواری پر قابو پایا جا سکتا ہے اور ریکارڈ کی ہوئی گفتگو کو سامپل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان دشواریوں کا ذکر کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ زبانی اظہار کا طریقہ ناقابلِ استعمال ہے اور زبانی جانچ کی گنجایش نہیں۔ بچے کی گفتگو کلاس میں سُنی جا سکتی ہے اور سنائی بھی جا سکتی ہے۔ اس طرح بچے کی غلطیوں کی اصلاح بھی کی جا سکتی ہے۔ گفتگو کی صحت اور عدمِ صحت کی بھی جانچ اس طریقے سے کی جا سکتی ہے لیکن اس میں ایک شخصی عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ زبانی اظہار کے دوران قائل کی شکل و صورت، طرزِ گفتگو اور لب و لہجے کا سامع پر اثر پڑتا ہے لہٰذا معروضیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس لیے زبانی اظہار کو زیادہ موثر بنانے کے لیے عملی طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ استاد چک لسٹ کا استعمال کرے اور اس کے ذریعے طلبہ کے لسانی اظہار کی جانچ کرے۔ بعض اساتذہ نے کہانی سنانے کے بعد اس قسم کی چک لسٹ تجویز کی ہے۔

مہارت کا نام	طلبہ کے نام					
	احمد	محمد	رحمان	افضل	ارشد	خالد
۱۔ گفتگو قابلِ سماعت ہے۔	✓	✓	✗	✗	✓	✓
۲۔ کہانی کا انتخاب حسبِ حال ہے۔						
۳۔ کہانی خوب ازبر ہے۔						
۴۔ کہانی طالب علم نے اپنی زبان میں سنائی۔						
۵۔ کہانی کا آغاز دلچسپ ہے۔						
۶۔ ضروری تفصیلات کا بیان ہے۔						
۷۔ کہانی سنانے کا فطری انداز ہے۔						
۸۔ تغیرِ لحن سے کہانی کو موثر بنایا گیا۔						
۹۔ آواز صاف ہے۔						
۱۰۔ تلفظ درست ہے۔						

www.urduchannel.in

استادِ جماعت اپنی سہولت اور جماعت کے معیار کے لحاظ سے اس قسم کی چک لسٹ تیار کر سکتا ہے۔ اس کے ذریعے زبانی طور پر لسانی اظہار کی جانچ کر سکتا ہے اور جانچ کے نتائج کی بنیاد پر تدریسی عمل میں ضروری اصلاحات بھی کر سکتا ہے۔

پڑھائی کی جانچ:

پرائمری درجات میں پڑھنا سکھانے کے بعد استاد کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے شاگردوں نے پڑھائی میں کتنی مہارت حاصل کر لی ہے چنانچہ دیگر مضامین کی طرح مشاہدے اور جانچ کے ذریعے پڑھائی کی بھی جانچ کی جاتی ہے۔ پڑھائی کی جانچ کے لیے ایسی آزمائشیں تیار کی جاتی ہیں جن کے ذریعے بچے، تلفظ، ادائگی، طرزِ ادا، تفہیم اور پڑھائی کی رفتار کی جانچ کی جا سکے۔ ان آزمائشوں کے ذریعے استاد محض پڑھائی کی مہارتوں کی پڑتال نہیں کرتا بلکہ بچے کی ان تمام کارگزاریوں پر نظر رکھتا ہے جن کا تعلق پڑھائی کے عمل سے ہے۔ مثلاً بچے سمجھ کر پڑھتے ہیں یا نہیں یا پڑھتے وقت عواقب کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ پہلی دو جماعتوں میں سمجھ کر پڑھنے کا تعلق تفہیم کی بالکل ابتدائی سطح سے ہوگا جس کے تحت وہ الفاظ کی مدد سے تصویر کی شناخت کر سکیں یا تصویر کے سہارے الفاظ کو پہچان سکیں اسی طرح مماثل شکل و صورت کے الفاظ کے درمیان امتیاز کر سکیں اور مختلف جانوروں کے بھونکنے کی آواز کی شناخت اور ان کے درمیان امتیاز کر سکیں۔

تیسری، چوتھی اور پانچویں جماعت میں تفہیم کی نوعیت مختلف ہو جائے گی لیکن جانچ کی نوعیت کم و بیش وہی ہوگی جو زبانی جانچ کے لیے تجویز کی گئی ہے یعنی استاد، چک لسٹ کے ذریعے پڑھائی کی مہارتوں کی جانچ کرے گا۔ ان کی انفرادی دشواریوں کا پتا چلائے گا اور غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش بھی کرے گا۔

لکھائی کی جانچ:

اس سے قبل اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ بچے اگر لفظ کو اچھی طرح بولنے پر قادر ہو جاتے ہیں تو ان الفاظ کو پڑھنے اور لکھنے میں انھیں سہولت ہوتی ہے جن الفاظ کو وہ صحیح بول لیتے ہیں انھیں صحت کے ساتھ پڑھ بھی سکتے ہیں اور لکھ بھی سکتے ہیں۔ بولنے اور پڑھنے کے درمیان بچوں

www.urduchannel.in

کو جن نئے الفاظ سے سابقہ پڑتا ہے ان الفاظ کو وہ تحریر میں سہولت کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں لیکن مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بچے بول کر اور پڑھ کر جن الفاظ کا استعمال کر لیتے ہیں انھیں الفاظ کو لکھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا لکھائی کی جانچ کے دوران اس پہلو کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور ایسے الفاظ کی نشاندہی کرنی چاہیے جن کو لکھنے میں بچے عام طور سے غلطی کرتے ہیں۔

تحریری جانچ کے لیے شاگردوں سے انشا لکھوائی جا سکتی ہے لیکن انشا کی جانچ کے لیے معروضی طرز کی جانچ عام طور پر ممکن نہیں ہوتی۔ البتہ دوسرے اور طریقے اپنائے جا سکتے ہیں جن سے انشا کی خامیوں اور خوبیوں کا اندازہ لگایا جا سکے۔ پرائمری درجات میں انشا کے کام کی جانچ کے لیے دو سطح پر طریقۂ کار متعین کرنا ہوگا ایک تو پہلی اور دوسری جماعت کی سطح پر اور دوسرے، تیسری، چوتھی اور پانچویں جماعت کی سطح پر۔ پہلی سطح پر لکھائی کا کام محض نقل نویسی تک محدود رہے گا۔ بعد کی جماعتوں میں نقل نویسی کے علاوہ املا نویسی، درخواست نویسی، اعلان نویسی اور ہلکے پھلکے بیانیہ مضمون لکھوائے جا سکتے ہیں۔

تحریری کام میں کئی طرح کے میکانکی عمل شامل ہوتے ہیں جیسے حروف کو جوڑ کر لفظ بنانا، شوشوں اور دائروں کا خیال رکھنا، لفظ لکھتے وقت حروف کی اونچائی، موٹائی اور پھیلاؤ میں توازن قائم رکھنا، لفظ لکھتے وقت سطروں کا خیال رکھنا، الفاظ کی نشست کا خیال رکھنا، الفاظ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنا، صحیح ہجے کے ساتھ لکھنا، صاف صاف لکھنا اور روانی کے ساتھ لکھنا، چوتھی اور پانچویں جماعت میں مزید خصوصیات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً پارہ بندی، اوقاف کا استعمال، خیالات میں ربط اور تسلسل، خیالات میں صفائی، خیال آفرینی اور خیالات کی اپج کا بھی خیال رکھا جا سکتا ہے۔

ان تمام مہارتوں کی جانچ کے لیے زبانی جانچ کی طرز پر چک لسٹ تیار کی جا سکتی ہے۔ چک لسٹ کی مدد سے شاگردوں کی تحریری کوتاہیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ان کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے مناسب مشقیں تیار کی جا سکتی ہیں۔ مشقوں کی تیاری میں بہت سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے عام طور پر مشقیں خشک، بے جان اور تھکا دینے والی ہوتی ہیں۔ ایسی مشقوں سے گریز کرنا چاہیے اور طلبہ کی عمر اور ان کی لیاقت کے مطابق مناسب قسم کی مشقیں فراہم کرنی چاہییں۔

www.urduchannel.in

تحصیلی جانچ:

جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ استاد کے فرائضِ منصبی میں سے ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی ترقی کا جائزہ لے اور ان کی انفرادی دشواریوں کا سراغ لگائے، اس مقصد کے حصول کے لیے تحصیلی جانچ کا طریقہ تجویز کیا جاتا ہے۔

تحصیلی جانچ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلے حصے کا تعلق جانچ کے پرچے کی تیاری، انتظام و انصرام اور نتائج مرتب کرنے سے ہوتا ہے اور دوسرے حصے کا تعلق نتائج کے شماریاتی عمل تجزیے اور ترجمانی سے ہوتا ہے۔ تجزیہ و ترجمانی میں شماریات کا اچھا خاصا دخل ہوتا ہے لیکن شماریاتی عمل چونکہ اس کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہے اس لیے دانستہ طور پر اس کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

تحصیلی جانچ کے پرچے میں جو سوالات شامل کیے جاتے ہیں ان کو 'مد' کہتے ہیں۔ لہٰذا جگہ جگہ 'مد' کا ذکر ملے گا۔ مدات مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں ان کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں۔ اساتذہ کی سہولت کے پیشِ نظر ذیل میں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ صحیح/غلط مد:

اس کے تحت جو بات کہی جاتی ہے اس کے جواب میں بس یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ بات صحیح ہے یا غلط۔ اس کے ذریعے اس پہلو سے طالب علم کی جانچ کی جاتی ہے کہ وہ صحیح اور غلط بیان میں تمیز کر سکتا ہے یا نہیں اس 'مد' کے استعمال پر بعض حضرات چیں بہ چیں نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعے طالب علم غلط بات سیکھ لیتا ہے لیکن اس قسم کا اندیشہ بے بنیاد ہے اس لیے کہ ہدایات پڑھنے کے بعد یہ بات ذہن نشیں ہو جاتی ہے کہ بعض بیانات صحیح ہیں اور بعض غلط۔ اس لیے نقصان کا اندیشہ نہیں۔ ذیل میں صحیح غلط 'مد' کی ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔

مثال: ہدایات:

ذیل میں کچھ باتیں کہی گئی ہیں ان میں سے بعض غلط ہیں اور بعض صحیح۔ صحیح بات کے دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر (✓) کا نشان لگا دیجیے۔ اور غلط بات کے دائیں جانب (×) کا

www.urduchannel.in

نشان بنا دیجیے۔

مثال: (ے) 'حبِ وطن' نظم حالی کی لکھی ہوئی ہے۔

ے 'تتلی' نظم نظیر اکبرآبادی کی لکھی ہوئی ہے۔

۲۔ کثیر جواب مد:

اس کے تحت ہر 'مد' کے تین تین یا چار چار جوابات دیے ہوتے ہیں ان میں ایک صحیح باقی غلط ہوتے ہیں۔ ہدایات کے مطابق صحیح جواب کو مقررہ جگہ پر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔

کثیر جواب مدات، کا انتخاب کسی قدر مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے استاد کو اس کے سلسلے میں عرق ریزی کرنی پڑتی ہے۔ کثیر جواب 'مد' جس کے بارے میں پوچھنا مقصود ہوتا ہے اس کو کلیدی لفظ کہتے ہیں اس کے آگے تین تین یا چار چار ممکنہ جوابی عمل دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح اور باقی غلط ہوتے ہیں۔ غلط جوابی عمل کی بھی خصوصیت اغرائی ہونی چاہیے یعنی وہ کلیدی لفظ سے توجہ ہٹانے کا کام کرتے ہوں۔ ایسے جوابی عمل تلاش کرنے میں استاد کو محنت کرنی پڑتی ہے۔ نیچے اس کی مثال دی جاتی ہے۔

مثال: ہدایات:

نیچے کالم (ا) میں کلیدی لفظ اور کالم (ب) میں چار چار ممکنہ جوابی عمل دیے ہوتے ہیں ان میں سے ایک صحیح باقی غلط ہیں، صحیح جوابی عمل کا نمبر دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر لکھ دیجیے۔

	(ا)	(ب)			
		(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
مثال ۲	انتخاب	شوق	تلاش	چناؤ	دریافت

۳۔ مماثل مد:

اس کے تحت دو مختلف نوعیت کی باتیں دی جاتی ہیں۔ ان میں سے اس بات کو جاننا پڑتا ہے جو دوسرے سے میل کھاتی ہو۔ صحیح جواب کو ہدایت کے مطابق دی ہوئی خالی جگہ پر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ ذیل میں مثالیں پیش کی جارہی ہے۔

www.urduchannel.in

مثال: ہدایات:

مثال: نیچے کالم (ا) میں ایک لفظ اور کالم (ب) میں چار الفاظ دیے ہوئے ہیں ان میں سے ایک لفظ ایسا ہے جو کلیدی لفظ سے میل کھاتا ہے باقی الفاظ میل نہیں کھاتے۔ میل کھاتے ہوئے لفظ کا نمبر کلیدی لفظ کے دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر لکھ دیجیے۔

(ا) (ب)

۴۔ گلاب (۱) سایہ (۲) پھل (۳) پیڑ (۴) پھول

۴۔ تکمیلی مد:

چوتھی قسم کی 'مد' تکمیلی مد کہلاتی ہے جس سے جملے کا مفہوم پورا کرنے کے لیے کسی موزوں لفظ سے خالی جگہ کو پُر کرنا ہوتا ہے۔ تکمیلی مدات میں دو قسم کی مدات ہوتی ہیں ایک شناخت کرنے والی اور دوسری بازیافت کرنے والی مد ہوتی ہے۔ شناخت والی مدات میں کئی الفاظ کے درمیان صحیح لفظ کی پہچان کرنی پڑتی ہے اور بازیافت کی مدات میں محض حافظے کی مدد سے صحیح لفظ لکھنا ہوتا ہے۔ ذیل میں دونوں قسم کی مدات کی مثال دی جا رہی ہے۔

مثال: ہدایات:

نیچے کچھ نامکمل جملے دیے گئے ہیں اور ان کے سامنے چار چار الفاظ۔ ان میں سے صحیح لفظ چن کر جملے میں خالی جگہ کو اس طرح پُر کیجیے کہ جملے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

مثال: ۲۔ ایسے لوگ روز روز ـــــ نہیں ہوتے۔ زندہ (۱) پیدا (۲) مردہ (۳) افسردہ (۴)

مثال: ہدایات:

نیچے کچھ نامکمل جملے دیے ہوتے ہیں۔ اپنی یادداشت کی مدد سے موزوں لفظ چن کر خالی جگہ کو اس طرح پر کیجیے کہ جملے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

مثال: ۴۔ حکیم اجمل خاں ایک نامی ـــــ تھے۔

۵۔ اصناف بندی کی مدات:

اصناف بندی کی جانچ کے لیے جانچ کے پرچہ میں اس طرح مدات شامل کی جاتی ہیں کہ ہر

www.urduchannel.in

ایک حصے میں ایک کے سوا تمام مدیں باقی مدات سے مطابقت رکھتی ہوں۔ گویا ایک کے علاوہ تمام مدات اسی زمرے سے تعلق رکھتی ہیں جس کے بارے میں پوچھا گیا ہے وہ 'مد' جو اس زمرے سے تعلق نہیں رکھتی اس کو چھانٹنا مقصود ہوتا ہے نیچے مثال دی جارہی ہے۔

مثال: ہدایات:

نیچے کالم (ا) میں ایک کلیدی لفظ اور کالم 'ب' میں چار الفاظ دیے ہوتے ہیں۔ کالم 'ب' کے چار الفاظ میں سے تین کلیدی لفظ کی صنف سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک لفظ اس گروہ سے الگ ہے۔ گروہ سے الگ لفظ کا نمبر دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر لکھ دیجیے۔

مثال:

(ا)	(ب)			
کوّا	کوئل (۲)	مور (۳)	خرگوش (۴)	

تحصیلی جانچ کا ایک نمونہ:

جماعت ۔ پنجم

مضمون ۔ اردو

جانچ کے مقاصد:

(۱) زبان کے وقوفی پہلوؤں کی جانچ کرنا

(۲) زبان کے عملی پہلوؤں کی جانچ کرنا

(۳) طلبہ کی انفرادی دشواریوں کا پتا لگانا۔

(۴) جماعت کے اوسط معیار کا پتا لگانا۔

(۵) جانچ کے نتائج کی بنیاد پر طریقۂ تدریس میں اصلاح کرنا۔

جانچ کے پرچے کی تیاری:

پرچۂ جانچ کی تیاری کے دوران اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پرچۂ جانچ تیار کرتے وقت پورے نصاب کو ملحوظ رکھا جائے۔ چنانچہ زیرِ نظر پرچۂ جانچ اردو کی پانچویں کتاب کے اسباق پر مبنی ہے پرچۂ جانچ کے لیے مدات کا انتخاب کرتے وقت اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ جوابات کے انتخاب میں طالب علموں کو سمجھ بوجھ کا اظہار کا موقع ملے،

www.urduchannel.in

رٹی رٹائی معلومات پر مبنی جوابات کی کم سے کم گنجایش رکھی گئی ہے۔ مزید یہ کہ جانچ کے پرچے کی تیاری میں جہاں جماعت کے اوسط معیار کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہاں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ تیز بچوں کو بھی جولانی طبع دکھانے کا موقع ملے اور کمزور بچوں کی بھی ہمت افزائی ہو۔

پرچۂ جانچ کی تیاری میں حسب ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۱۔ تحصیلی جانچ کے اس پرچے میں کل ۵۰ مدات ہیں۔ ہر ایک 'مد' ایک نمبر کی ہے۔

۲۔ تمام مدات معروضی نوعیت کی ہیں۔

۳۔ پرچۂ جانچ میں پانچ قسم کی مدات شامل کی گئی ہیں۔

۱۔ صحیح / غلط مدات

۲۔ کثیر جواب مدات

۳۔ مماثل مدات

۴۔ تکمیلی مدات

۵۔ اصناف بندی کی مدات

۴۔ پرچۂ جانچ سے متعلق شروع میں عام ہدایات اور مدات کی قسموں کے ساتھ خاص ہدایات دی گئی ہیں۔ انھیں ہدایات کے مطابق جوابات ظاہر کرنے ہیں۔

۵۔ پرچۂ جانچ مقررہ وقت کے اندر پورا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی جواب نہ معلوم ہو تو اس پر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

۶۔ تمام جوابات پرچۂ جانچ پر ہی ظاہر کرنے ہے۔

پرچۂ جانچ کا انتظام:

پرچۂ جانچ تقسیم کرنے سے قبل طلبہ کی نشست پر خاص طور سے توجہ دی جائے گی۔ نشست کا معقول انتظام کرنے کے بعد پرچۂ جانچ طلبہ میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

نگرانی:

اس دوران استاد نگرانی کے فرائض انجام دے گا اور نگرانی کے دوران اس بات کا خیال رکھے گا کہ طلبہ ایک دوسرے سے بات چیت نہ کریں۔

www.urduchannel.in

نتائج مرتب کرنا:

معروضی جانچ کی خوبیوں میں ایک اہم خوبی یہ ہوتی ہے کہ مدات کو بہت سہولت کے ساتھ جانچا جا سکتا ہے اس لیے کہ معروضی جانچ کے تحت تمام سوالات کے جواب متعین ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کے تنوع یا اختلاف کی گنجایش نہیں ہوتی۔ استاد اور طالب علم دونوں کی ذاتی پسند و ناپسند کا دخل نہیں ہوتا۔ انھیں خوبیوں کے باعث معروضی جانچ کے پرچے کو کنجی کی مدد سے بہت کم وقت میں جانچا جا سکتا ہے اور حاصل کردہ نمبروں کی بنیاد پر نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ پھر ان نتائج کی تعبیر و ترجمانی بھی کی جا سکتی ہے۔ تکنیکی آلات بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں اور شماریاتی عمل کی مدد سے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہاں شماریاتی عمل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ان کی جانب محض اشارے کر دیے گئے ہیں تاکہ استاد اگر دلچسپی لے تو ان شماریاتی عمل سے جانکاری حاصل کر لے۔

اندراجات شمار:

پرچہ جانچ جانچنے کے بعد طلبہ نے جو شمارات حاصل کیے ہیں انھیں ترتیب وار نمبروں کی بنیاد پر اس طرح لکھ لیا جائے گا کہ سب سے پہلے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کا نام اس کے بعد اس سے کم پانے والے کا نام، اس طرح طلبہ کی فہرست اور ان کے شمارات کا اندراج کر لیا جاتا ہے۔ پورے گروپ کو اعلا، اوسط اور ادنا تین گروپ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد شماریاتی عمل کیا جاتا ہے۔

شماریاتی عمل:

حاصل کردہ شمارات کی بنیاد پر اوسط، وسطانیہ، قدر وقت اور قدر امتیاز نکالی جاتی ہے اور گراف بھی تیار کیا جاتا ہے۔

تجزیہ و ترجمانی:

تحصیلی جانچ کا آخری مرحلہ نتائج کا تجزیہ ہوتا ہے جس کے تحت وقت اور امتیاز کے اعتبار

www.urduchannel.in

سے برمد کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ کون سی 'مد' آسان ہے اور کون سی مشکل، اس کا تعین اس طرح کیا جاتا ہے کہ اگر کسی مد کے جوابی عمل ۷۵ فی صد سے زائد صحیح ہیں تو اس کو آسان تصور کیا جائے گا اور اس بنیاد پر اس کو رد کر دیا جائے گا اگر ۲۵ فی صد سے کم طلبہ نے صحیح جوابی عمل ظاہر کیے ہیں تو اس کو مشکل تصور کیا جائے گا اور اس کو بھی رد کر دیا جائے گا ۲۵ سے ۷۵ فی صد کے درمیان صحیح جوابی عمل والی مدات کو موزوں سمجھا جائے گا۔ بحیثیت مجموعی یہ دیکھا جائے گا کہ پرچۂ جانچ اس مخصوص جماعت کے لیے موزوں ہے یا نہیں۔ جماعت کا اوسط معیار کیا ہے۔ اگر اوسط معیار بہت پست ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی نقص ضرور ہے۔ یا تو موادِ مضمون کے انتخاب، تنظیم اور ترتیب میں کوئی گڑبڑ ہے یا طریقۂ تدریس میں کوئی کوتاہی ہے۔ اس طرح ضرورت کے مطابق نصاب اور طریقۂ تدریس دونوں کی اصلاح کی جا سکتی ہے ساتھ ہی ساتھ طلبہ کی انفرادی دشواریوں کو دور کرنے کے لیے مناسب مشقیں بھی فراہم کی جا سکتی ہیں۔

پرچۂ جانچ کا نمونہ: عام ہدایات:

یہ تحصیلی جانچ کا پرچہ ہے۔ اس پرچے میں تمام مدات معروضی ہیں ہر قسم کی 'مد' سے متعلق خصوصی ہدایات دی ہوئی ہیں۔ جانچ کے اس پرچے کو ایک طرف سے پڑھتے جائیے اور مقررہ جگہوں پر جوابات ظاہر کرتے جائیے۔ جو سوال مشکل نظر آئے اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائیے۔ آخر میں اگر وقت بچے تو اس پر غور کر لیجیے، پرچۂ جانچ مقررہ وقت کے اندر کرنا ہے۔ اس پرچے کے لیے کل ایک گھنٹہ وقت مقرر کیا گیا ہے۔

۱۔ نیچے کچھ باتیں کہی گئی ہیں ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض غلط۔ صحیح بات کے دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر (س) کا نشان اور غلط بات کے دائیں جانب دی ہوئی جگہ پر (x) کا نشان لگا دیجیے۔ مثال دی ہوئی ہے۔

مثال: } ـــــ x سکندر کے باپ کا نام دارا تھا۔
} ـــــ س بل زن گائے کی قسم کا ایک جانور ہوتا ہے۔

۱۔ ـــــ سکندر الہ آباد تک گیا۔

www.urduchannel.in

۲۔ ـــــ سکندر دنیا سے خالی ہاتھ گیا۔
۳۔ ـــــ سکندر، پورس کے نام سے مشہور ہوا۔
۴۔ ـــــ رام چندر کو چودہ برس کا بن باس ملا۔
۵۔ ـــــ چیونٹی کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔
۶۔ ـــــ تزکِ فکر حاتی نے لکھی ہے۔
۷۔ ـــــ نوم نے حکیم اجمل خاں کو مسیح الملک کا خطاب دیا۔
۸۔ ـــــ مرغ آباد چڑیوں کی سلطنت کی راجدھانی کا نام تھا۔
۹۔ ـــــ وکیل، گواہ، جج، کچہری کے الفاظ ہیں۔
۱۰۔ ـــــ ہندستان کے لوگ ریڈ انڈین کہلاتے ہیں۔
۱۱۔ ـــــ لاسلکی کا موجد مارکونی تھا۔
۱۲۔ ـــــ شہنی، پیڑ کی شاخ کو کہتے ہیں۔
۱۳۔ ـــــ بانگ، کتے کی آواز کو کہتے ہیں۔
۱۴۔ ـــــ راجا جسرتھ کے تین رانیاں تھیں۔
۱۵۔ ـــــ چوتھی قسم کی چیونٹی، سپاہی چیونٹی کہلاتی ہے

۲۔ نیچے کچھ الفاظ اور ان کے سامنے چار چار معنی دیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک معنی صحیح اور باقی غلط ہیں۔ دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر صحیح معنی کا نمبر لکھ دیجیے۔ مثال دی ہوئی ہے

مثال:	لفظ	(۱) معنی	(۲) معنی	(۳)	(۴)
۳ ـــــ	دقیانوسی:	معقول	جدید	پرانا	بے کار
۱۔ ـــــ	انداز:	مزیدار	طریقہ	بیان	حال
۲۔ ـــــ	تفعیل:	ترکیب	ترتیب	تدبیر	تشریح
۳ ـــــ	نرالا:	انوکھا	اچھا	بُرا	لاڈلا
۴۔ ـــــ	مشقت:	طاقت	زور	محنت	زیادتی
۵۔ ـــــ	چلن:	چال ڈھال	رواج	سماج	حالت
۶۔ ـــــ	ذلت:	پریشانی	رسوائی	تباہی	بدنامی
۷۔ ـــــ	شفقت:	ہمدردی	سہولت	محبت	مہربانی

www.urduchannel.in

۸۔ ـــــ زرق برق: سفید صاف ستھرا چمکدار سہرا

۹۔ ـــــ دراز: لمبا چوڑا اونچا نیچا

۱۰۔ ـــــ خود غرض: بے مروت بے غرض مطلبی غرض مند

۳۔ نیچے لکھے ہوئے سوالات کے تین تین جوابات دیے ہوئے ہیں دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر صحیح سوال کے ساتھ (✓) کا نشان اور غلط جواب کے ساتھ (×) کا نشان لگا دیجیے مثال دی ہوئی ہے۔

۱۔ ـــــ برف میں بچوں پر کیا مصیبت پڑی۔

۱۔ بچے برف میں گھر گئے۔

۲۔ بچوں کی گاڑی خراب ہو گئی۔

۳۔ برف کا ٹکڑا جس پر وہ گاڑی چلا رہے، الگ ہو گیا۔

۲۔ ـــــ خراج کا مطلب ہے

۱۔ کسی بادشاہ سے کچھ نذر لینا۔

۲۔ کسی بادشاہ کو کچھ نذر دینا۔

۳۔ کسی بادشاہ کا زبردستی کچھ چھین لینا

۳۔ ـــــ شیر کی دھاڑ سے پرندوں کا کیا حال ہوتا ہے۔

۱۔ پرندے پیڑ سے اڑ جاتے ہیں۔

۲۔ پکے پھل کس طرح ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

۳۔ پرندے ڈر جاتے ہیں۔

۴۔ ـــــ ہمارا وطن ہے

۱۔ پاکستان

۲۔ بنگلہ دیش

۳۔ ہندستان

۵۔ ـــــ بچے نکالنے کے لیے مرغی اپنے انڈوں پر بیٹھتی ہے۔

۱۔ اکیس دن

۲۔ چودہ دن

www.urduchannel.in

۳۔ چوبیس دن

۶۔ ـــــ لفافے پر اپنا پتا لکھنا چاہیے۔

۱۔ بائیں طرف

۲۔ بیچ میں

۳۔ دائیں طرف

۷۔ ـــــ چھوٹی سوئی ۵ پر اور بڑی سوئی ۳ پر ہو تو بجے گا۔

۱۔ سوا چار

۲۔ سوا پانچ

۳۔ سوا چھے

۸۔ ـــــ نظم میں لوہے کی چیل کہا گیا ہے

۱۔ ہیلی کوپٹر کو

۲۔ راکیٹ کو

۳۔ ہوائی جہاز کو

۹۔ ـــــ ہوائی جہاز کو لوہے کی چیل اس لیے کہا گیا ہے کہ

۱۔ ہوائی جہاز لوہے کا بنا ہوا ہے

۲۔ ہوائی جہاز لوہے کا بنا ہوا ہے اور چیل کی طرح اڑتا ہے

۳۔ ہوائی جہاز چیل دکھائی دیتا ہے۔

۱۰۔ ـــــ پھیری والے زیادہ پائے جاتے ہیں۔

۱۔ امیر ملکوں میں

۲۔ غریب ملکوں میں

۳۔ بڑے ملکوں میں

۱۱۔ ـــــ جس چیز سے سوتی کپڑا بنتا ہے اس کو کہتے ہیں

۱۔ کپاس

۲۔ اون

۳۔ سن

www.urduchannel.in

۱۲۔ ـــــ سورج نکلتا ہے

۱۔ مغرب سے

۲۔ مشرق سے

۳۔ جنوب سے

۱۳ ـــــ روئی دھنتا ہے

۱۔ دھوبی

۲۔ بڑھئی

۳۔ دُھنیا

۱۴۔ ـــــ جس جگہ سکّے چھپتے ہیں اور نوٹ چھپتے ہیں اس کو کہتے ہیں۔

۱۔ ٹکسال

۲۔ بینک

۳۔ چھاپہ خانہ

۴۔ نیچے دیے ہوئے جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔ ہر جملے کے سامنے بریکٹ میں تین تین لفظ دیے ہوتے ہیں ان میں سے وہ لفظ چنیے اور خالی جگہ پر لکھیے جس سے جملے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

۱۔ آؤ دعا کے لیے اوپر ـــــ اٹھائیں (منہ، ہاتھ، سر)

۲۔ سویرا ہوا ـــــ نکلا (چاند، تارے، سورج)

۳۔ موٹے سوتی کپڑے کو ـــــ کہتے ہیں (پاپلین، کھدّر، ململ)

۴۔ ملک ہمارے ـــــ کے بہت بڑے آدمی تھے (دیس، دنیا، بستی)

۵۔ جس سے بخار ناپتے ہیں اس کو ـــــ کہتے ہیں (بیرومیٹر، میٹر، تھرمامیٹر)

۵۔ نیچے لکھے ہوئے الفاظ میں سے بعض واحد ہیں اور بعض جمع۔ ان کے بائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر واحد کے ساتھ 'و' اور جمع کے ساتھ 'ج' لکھ دیجیے۔

ـــــ امیر

ـــــ غربا

ـــــ مُلک

www.urduchannel.in

—— مضامین

—— طالبہ

۶۔ نیچے لکھے ہوئے الفاظ میں سے مذکر ہیں اور بعض مونث۔ دائیں جانب دی ہوئی خالی جگہ پر 'مذکر' 'مونث' لکھ دیجیے۔

—— مور

—— ہاتھی

—— مجنّن

—— پجاری

—— دھوبن

—— شاعر

www.urduchannel.in

۱۸۔ امدادی اشیا اور دیگر وسائل

عام ملحوظات:

ابتدائی درجات میں تدریس زبان کی خصوصی اہمیت ہے اس لیے کہ یہ منزل بنیادی منزل ہے۔ اس منزل پر زبان کی میکانکی اور نیم میکانکی مہارتوں کی بنیاد پڑتی ہے اور بچوں میں نئی لسانی عادتوں کی داغ بیل پڑتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زبان کی تدریس کو دلچسپ اور موثر بنایا جائے تاکہ بچے شوق اور دلچسپی کے ساتھ زبان کی بنیادی مہارتیں سیکھیں۔ اس مقصد کے پیش نظر اساتذہ کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ مواد تعلیم آسان اور دلچسپ طریقے سے پیش کیا جائے تاکہ بچے ہنسی خوشی مواد مضمون کو ذہن نشین کرلیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے کچھ ایسی امدادی اشیا اور مدرسے کے دیگر وسائل تجویز کیے گئے ہیں جو مجرد تصورات کی وضاحت اور صراحت میں معاون ہوتے ہیں اور مواد مضمون سے متعلق بچوں میں دلچسپی پیدا کرتے ہیں۔ امدادی اشیا اور دیگر وسائل میں سمعی وبصری وسائل کا استعمال نہ صرف ابتدائی درجات میں مستحسن سمجھا جاتا ہے بلکہ ثانوی اور اعلا ثانوی منزل پر بھی ان کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے۔ ان کے وسیلے سے آموزش کی تحریک اور تدریسی عمل میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ پرائمری درجات میں چونکہ زبان کی بنیادی مہارتیں سکھائی جاتی ہیں اس لیے امدادی اشیا کے استعمال کی بڑی گنجایش ہے جوں جوں زبان کی تدریس سے ادب کی تدریس کی جانب بڑھتے جائیں گے، امدادی اسیا کے استعمال کی گنجایش بھی کم ہوتی جائے گی لیکن دیگر وسائل کے امکانات بڑھتے جائیں گے۔

ابتدائی درجات میں زبان سکھاتے وقت ایتلاف مادی سے کام لینا بہت سود مند ہوتا

www.urduchannel.in

ہے اس لیے کہ اس کے وسیلے سے مبہم تصورات واضح ہوجاتے ہیں اور افہام و تفہیم میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لیے پرائمری درجات کے اساتذہ کو خصوصیت کے ساتھ امدادی اشیا کے استعمال سے واقف ہونا چاہیے۔

اردو زبان کی تدریس کا اگر حقیقی طور پر جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تدریس میں اگر ایک طرف سہولتیں دستیاب نہیں تو دوسری جانب یہ اساتذہ کی بھی عدم توجہی کا شکار ہے۔ مدرسوں کا ماحول ایک طرف خشک اور غیر دلچسپ ہے تو دوسری طرف گھریلو حالات بھی سازگار نہیں۔ ان مسائل کے پیش نظر اردو کے استاد پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شعوری طور سے تعلیمی عمل کو دلچسپ بنائے اور اس بات کی کوشش کرے کہ کھیل کھیل میں بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھادے۔

عام مشاہدہ یہ ہے کہ پرائمری درجات میں خصوصیت کے ساتھ زبان کی تعلیم کا سارا عمل درسی کتاب تک محدود رہتا ہے۔ اس منزل پر بچہ سہولت کے ساتھ آزاد مطالعہ نہیں کرسکتا اس لیے یہ ضروری ہے کہ درسی کتب میں بچوں کی دلچسپی پیدا کرانے میں امدادی اشیا سے استفادہ کیا جائے۔ ماہرین تعلیم کا یہ خیال ہے کہ ہمارے تصورات بڑی حد تک سمعی و بصری تجربات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے زبان کی تعلیم میں مفید طریقے پر ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان کے استعمال سے بچوں کے تجربات میں وسعت پیدا ہوتی ہے، حصول معلومات کا عمل دلچسپ اور سہل ہوجاتا ہے، بچوں میں تحسین کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور خیال آرائی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

سہولت کے خیال سے امدادی اشیا اور دیگر وسائل کو علاحدہ علاحدہ پیش کیا جارہا ہے۔ اوّل الذکر کو حصہ (ا ۹) میں اور آخر الذکر کو حصہ (ب) میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

حصہ (۹) : امدادی اشیا میں دو قسم کا سامان شامل ہوتا ہے۔ ایک سمعی اور دوسرا بصری۔ سمعی سامان میں ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر اور گراموفون شامل ہیں اور بصری سامان میں تعلیمی تاش، چارٹ، نقشہ اور ماڈل شامل ہیں۔ فلم اور ٹیلی ویژن میں سمعی اور بصری دونوں وسائل کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ درسی کتب اور تختۂ سیاہ کو بھی امدادی اشیا میں شامل کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ان اشیا کے استعمال سے متعلق ضروری باتیں پیش کی جارہی ہیں۔

www.urduchannel.in

۱۔ تختۂ سیاہ:

ایک اچھے استاد کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ پڑھاتے وقت تختۂ سیاہ کا بہتر استعمال کرے اور اس کے ذریعے تدریسی عمل میں سہولت پیدا کرے۔

تختۂ سیاہ کا استعمال مختلف کاموں کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً نقشا، خاکہ اور تصاویر بنا کر بچوں کو دکھایا جا سکتا ہے لیکن زبان کی تدریس میں پڑھنا اور لکھنا سکھاتے وقت تختۂ سیاہ کا استعمال خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ پڑھنا سکھاتے وقت دو حرفی، سہ حرفی اور چہار حرفی الفاظ تختۂ سیاہ پر صاف صاف لکھ کر اُن کی ترکیبی شکلوں سے بچوں کو بخوبی واقف کرایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح لکھنا سکھاتے وقت بھی حروف کی ملواں شکلیں بنائی جا سکتی ہیں اور شوشے، دائرے اور مرکز سے بچوں کو واقف کرایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تلفظ کی مشق اور اخذِ معنی کے عمل میں بھی تختۂ سیاہ کا تخلیقی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

تختۂ سیاہ کے کام کو موثر بنانے کے لیے استاد کو چاہیے کہ وہ بائیں جانب کھڑے ہو کر تختۂ سیاہ پر لکھے تاکہ کلاس میں بیٹھے ہوئے تمام بچوں کو اچھی طرح تختۂ سیاہ کی لکھاوٹ نظر آئے۔ لکھتے وقت استاد اگر مختلف رنگ کی چاک استعمال کرے تو سرخی، ذیلی سرخی اور اہم نکات کی جانب بخوبی اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ درسی کتاب:

ابتدائی درجات کے پہلے سال میں چونکہ پڑھنا اور لکھنا سکھانے کا آغاز کیا جاتا ہے اس لیے قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔ جدید قواعد میں عام طور سے رنگین تصاویر ہوتی ہیں اور انھیں سے مربوط لفظ اور جملے ہوتے ہیں اس لیے استاد کو چاہیے کہ قاعدے کی تصاویر کو تدریس کا ایک وسیلہ تصور کرے۔

اسی طرح درسی کتاب کو بھی تدریس کا ایک موثر وسیلہ تصور کرنا چاہیے اور درسی کتاب میں دی ہوئی مشقوں کو دلچسپ اور موثر ڈھنگ سے پڑھانا چاہیے تاکہ بچے درسی کتاب میں دلچسپی پیدا کر سکیں۔ ایک بار اگر بچوں میں درسی کتاب سے دلچسپی پیدا ہو گئی تو پھر درس و تدریس کا عمل بہت سہل ہو جاتا ہے اور بچے خود بخود پڑھنے اور لکھنے کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔

www.urduchannel.in

۳۔ تعلیمی تاش:

بازار میں رنگین تعلیمی تاش بہت سہولیت کے ساتھ دستیاب ہیں ان میں الف بائی یا لفظی تاش، حروف شناسی اور لفظ سازی میں بڑی دلچسپی پیدا کرتے ہیں۔ استاد جماعت خود بھی تعلیمی تاش تیار کر سکتا ہے اور بچوں کی ضرورت کے مطابق ان کو استعمال کر سکتا ہے۔ تعلیمی تاش کی مدد سے کلاس میں مقابلے کی فضا تیار کی جا سکتی ہے۔ کھیل کھیل میں حروف شناسی کرائی جا سکتی ہے اور حروف کی ترتیب بدل کر لفظ بنوائے جا سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے چونکہ کھیل کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اس لیے بچے دیر تک اس میں مصروف رہ سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ نئے اور بامعنی لفظ بنا کر حقیقی مسرت حاصل کر سکتے ہیں۔

عام طور سے بچے الفاظ سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن ان کی علامتی یعنی تحریری شکل سے واقف نہیں ہوتے اس لیے استاد کی رہنمائی میں تعلیمی تاش کی مدد سے وہ پڑھنا اور لکھنا سہولیت کے ساتھ سیکھ جاتے ہیں۔

۴۔ چارٹ و تصاویر:

بازار میں عام طور پر رنگین چارٹ اور تصاویر ملتی ہیں۔ خاص طور سے پودوں، سبزیوں، جانوروں اور پرندوں کی تصاویر سہولیت کے ساتھ دستیاب ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ ان تصاویر کو کاٹ کر کھیل کھیل میں حروف شناسی اور لفظ سازی کی مشق کرائے مثال کے طور پر ایک ڈبے میں چند تصاویر رکھی ہیں اور دوسرے میں جلی حروف میں لکھے ہوئے الفاظ۔ تصویر کی مناسبت سے لفظ کی شناخت یا لفظ کی رعایت سے تصویر تلاش کرنے کا کام تمام بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔

اگر استاد میں تھوڑی بہت خلاقانہ صلاحیت موجود ہے تو موقع محل کے لحاظ سے چارٹ پیپر پر خود بھی تصاویر بنا کر استعمال کر سکتا ہے۔

۵۔ کہانیاں:

کہانیوں سے بچوں کو فطری لگاؤ ہوتا ہے لہٰذا ان کے شوق کی آبیاری کے لیے ہلکی

www.urduchannel.in

پھلکی کہانیوں کی رنگین کتابیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ نیشنل بک ٹرسٹ نے ایسی بہت سی کتابیں شائع کی ہیں جو واجبی قیمت پر دستیاب ہیں۔ ان کتابوں میں چونکہ رنگین تصاویر ہوتی ہیں اس لیے بچے شوق سے انھیں دیکھتے ہیں اور انھیں تصاویر کے سہارے کہانی پڑھنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ عام طور پر اردو کی درسی کتابیں دیدہ زیب نہیں ہوتیں اور طریقۂ تدریس بھی خشک ہوتا ہے۔ اس لیے بچوں کو درسی کتب میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔ مذکورہ بالا کوششوں سے بچوں میں پڑھنے سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے خاص طور سے پہلی اور دوسری جماعت کے بچوں کے لیے یہ طریقہ بہت سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

۶۔ ٹیپ رکارڈر:

ٹیپ رکارڈر کا استعمال ان دنوں بہت عام ہو گیا ہے۔ ایک حوصلہ مند استاد ٹیپ رکارڈ کا استعمال کر کے بچوں میں زبان کا شوق پیدا کر اسکتا ہے۔ اس کے ذریعے بچوں کو دلچسپ کہانیاں سنائی جا سکتی ہیں۔ یہ کہانیاں ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے ٹیپ کی جا سکتی ہیں اور بچوں کو سنائی جا سکتی ہیں۔ بچوں میں مزید شوق پیدا کرنے کے لیے بچوں کی آواز ٹیپ کر کے کلاس میں سنائی جا سکتی ہے

۷۔ ریڈیو:

جدید تعلیم میں ریڈیو پر بہت زور دیا گیا ہے اور گزشتہ برسوں میں اس کو تعلیم کا ایک موثر وسیلہ تصور کیا گیا ہے۔ ریڈیو سے اسکول براڈ کاسٹ اور بچوں کے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں جو بچوں کو بہت پسند آتے ہیں۔ ریڈیو کے پروگرام سے ایک طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسری جانب صحتِ تلفظ، لب و لہجے اور ادائگی کی بہتر ترتیب بھی دی جا سکتی ہے۔

ریڈیو سے قومی اور ملکی نوعیت کے پروگرام بھی پیش کیے جاتے ہیں جو بچوں میں دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یوم آزادی، یوم جمہوریت، بسنت اور عید جیسے پروگرام میں بچوں کو خصوصیت کے ساتھ دلچسپی ہوتی ہے۔

۸۔ ٹیلی ویژن:

www.urduchannel.in

ٹیلی ویژن کی سہولت اب شہروں تک ہی محدود نہیں بلکہ گانو گانو ٹیلی ویژن کی سہولت میسّر ہے۔ اگر مدرسے میں ٹیلی ویژن فراہم کر دیا جاتے تو بچّوں میں بہت دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے۔ ٹیلی ویژن میں چونکہ سمعی و بصری دونوں ہی وسائل کارفرما ہوتے ہیں اس لیے طالب علم بہت شوق سے ٹیلی ویژن کا پروگرام دیکھتے ہیں، گذشتہ برسوں میں ٹیلی ویژن نے سماجی اور ثقافتی زندگی میں جس طرح قبول عام حاصل کر لیا ہے اس کو دیکھتے ہوتے ٹیلی ویژن زبان کی تعلیم میں ایک اہم رول ادا کر سکتا ہے۔

دہلی جیسے بڑے شہروں میں ثانوی مدارس کے لیے ٹیلی ویژن فراہم کیے گئے ہیں اور سائنس اور دیگر مضامین سے متعلق اسباق نشر بھی کیے جاتے ہیں لیکن ابتدائی مدارس کے لیے ابھی اس طرح کی سہولتیں فراہم نہیں کی گئی ہیں جبکہ ابتدائی مدارس میں ان وسائل کی بہت ضرورت ہے۔

اب جب کہ اوپن یونی ورسٹی کا قیام عمل میں آگیا ہے اور غیر رسمی تعلیم کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جا رہا ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بعض ریاستوں نے تو ہزاروں اسکولوں میں ریڈیو سٹ فراہم کر دیے ہیں اور نشریات کے ذریعے ہزاروں طالب علموں کو ضروری معلومات فراہم کی جا رہی ہیں۔

حصّہ "ب" مدرسے کے دیگر وسائل"

ان سمعی بصری وسائل کے علاوہ مدرسے میں کئی ایسے مشاغل کا اہتمام کیا جا سکتا ہے جن کے ذریعے بچّوں میں دلچسپی پیدا کی جا سکتی ہے ان مشاغل میں مندرجہ ذیل مشاغل ابتدائی مدارس کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں:

۱۔ نظم خوانی کا مقابلہ۔
۲۔ کہانی سنانے کا مقابلہ۔
۳۔ الفاظ سازی کا مقابلہ
۴۔ بچّوں کی انجمن۔
۵۔ نقلیں اور چٹکلے سنانا۔

www.urduchannel.in

۶۔ ڈراما اور مونو ایکٹنگ۔

۷۔ پروجیکٹ۔

۱۔ نظم خوانی کا مقابلہ:

مولانا اسماعیل میرٹھی، افسر میرٹھی، شہباز، شفیع الدین نیر اور تلوک چند محروم کی ایسی بہت سی بیانیہ نظمیں ہیں جن میں بچوں کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ نغمے اور راگ سے چونکہ عام طور پر بچوں کو دلچسپی ہوتی ہے اس لیے بہت شوق کے ساتھ وہ نظمیں یاد کر سکتے ہیں اور نظم خوانی کے مقابلے میں سنا کر داد تحسین حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی عمدہ صورت تو یہ ہے کہ استاد خود اچھے انداز سے اور اگر ہو سکے تو ترنم سے نظم پڑھ کر نمونے کے طور پر شاگردوں کے سامنے پیش کرے پھر ان سے پڑھوائے۔ نظموں کے انتخاب میں استاد کو تھوڑی بہت کاوش کرنی پڑے گی۔ اکثر بچوں کے رسائل میں اچھی نظمیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

۲۔ کہانی سنانے کا مقابلہ:

بچوں کو کہانیاں سننے سنانے سے فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے بچوں کے شوق کو ابھارا جا سکتا ہے اور کہانیاں پڑھنے کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مدرسے میں اگر نصابی مشاغل کے علاوہ بھی کچھ وقت نکالا جا سکے تو اس میں نظم خوانی کے ساتھ ساتھ کہانیاں سنانے کے بھی مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ کہانی سنانے سے بچوں کی تقریری نشو و نما ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے تخیل میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے۔

ہر چند کہ بچوں میں شروع سے ہی مقابلے کا جذبہ پیدا کرانا مستحسن نہیں تاہم بچوں کی فعال شرکت کے لیے یہ ایک اچھا وسیلہ ہے۔ اس موقع پر استاد اگر مقابلے کے ماحول کو زیادہ اہمیت نہ دے بلکہ کھیل کھیل کا ماحول پیدا کرانے کی کوشش کرے تو یہ پروگرام زیادہ تعلیمی نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔

۳۔ الفاظ سازی کا مقابلہ:

مختلف حروف کو ملا کر لفظ بنانے کا مشغلہ کلاس کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ہے جس میں

www.urduchannel.in

بچے فعال طریقے سے دلچسپی لے سکتے ہیں اور کھیل کھیل میں بچے پر ملکہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض اساتذہ الفاظ سازی کے مقابلے کے ذریعے کلاس کے ماحول میں بڑی سرگرمی پیدا کر دیتے ہیں اور کھیل کھیل میں بچوں کو الفاظ کے ہجے کی اس طرح مشق کرا دیتے ہیں کہ تمام عمر وہ ہجے نہیں بھولتے۔

الفاظ سازی کے مقابلے کا اہتمام اس طرح ہو سکتا ہے کہ درجے کے طلبہ کو دو گروپ میں بانٹ دیا جاتے۔ طلبہ کو گروپ میں تقسیم کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں ٹیموں میں تقریباً برابر معیار کے بچے شامل کیے جائیں۔ یعنی دونوں ٹیموں میں تیز اوسط اور کمزور بچے شامل ہوں۔ ان ٹیموں کو ایسے نام دیے جا سکتے ہیں جو سننے میں اچھے معلوم ہوں یعنی وہ صوتی اعتبار سے پرکشش ہوں۔ ان ٹیموں کے کپتان مقرر کیے جا سکتے ہیں اور پھر ان دونوں ٹیموں کے درمیان الفاظ سازی کا مقابلہ کرایا جا سکتا ہے۔ پہلی ٹیم سے ایک بچہ ایک حرف بولے پھر دوسری ٹیم سے دوسرا بچہ اگلا حرف بولے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل طریقے پر لفظ سازی ہو سکتی ہے۔

شلجم
- ٹیم (الف) ش
- ٹیم (ب) ل
- ٹیم (الف) ج
- ٹیم (ب) م

ٹیم (ب) نے چونکہ آخری حرف سے لفظ بنا لیا اس لیے وہ ٹیم ایک پوائنٹ جیت گئی۔ اسی طرح لفظ سازی کی مشق اور بچوں کے تخلیقی اظہار کی نشوونما کرائی جا سکتی ہے۔

الفاظ سازی کے ذریعے لکھنے کی بھی مشق کرائی جا سکتی ہے۔

۴۔ بچوں کی انجمن:

عام طور پر ثانوی اور اعلا ثانوی منزل پر انجمن طلبہ کا قیام عمل میں آتا ہے لیکن اگر ابتدائی مدارس میں بھی بچوں کی انجمن قائم کی جائے تو یہ بھی تعلیم و تربیت کا ایک اچھا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ، استاد تھوڑی سوجھ بوجھ اور پیش بینی سے کام لے۔ اس کے ذریعے بچوں کو ان

www.urduchannel.in

ذمے داریوں کا احساس دلایا جاسکتا ہے جو بحیثیت شہری انھیں آیندہ زندگی میں سپرد کی جائیں گی۔ ان ذمے داریوں سے عہدہ برا ہونے کی معقول تربیت کے لیے عمر کی یہ منزل بہت مناسب ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ شہریت کے بنیادی اصولوں سے بھی روشناس ہوجاتے ہیں اور گردوپیش کی زندگی میں وہ جن باتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، چھوٹے پیمانے پر ان مراحل سے گزرنے کا انھیں عملی طور پر موقع مل جاتا ہے۔

انجمن کے انتخابات میں حصہ لینا، انتخاب میں مقابلے کے لیے بطور امیدوار سامنے آنا، زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے رائے عامہ ہموار کرنا، الیکشن مینی فیسٹو نکالنا اور اس میں مدرسے کے تمام مسائل کو حل کرانے کے لیے معقول تجاویز اور وعدے وعید وغیرہ کارروائیوں سے بچے بڑی حد تک استفادہ کرسکتے ہیں۔

انتخاب کے بعد مسند نشینی کے انتظامات، حلف وفاداری، تقاریر اور جلسے کا اہتمام تعلیمی و تربیتی نقطۂ نظر سے بہت سودمند ہے۔ اس کے دوران بولنے اور لکھنے کے کافی مواقع میسر آتے ہیں۔ مقابلے میں کھڑے ہونے والے امیدواروں کے لیے پوسٹر لکھنا ایک ایسا مشغلہ ہے جس میں لکھائی کی بہت اچھی طرح مشق کرائی جاسکتی ہے۔ اس طرح انجمن کے جلسوں میں تقریر کرنا تقریری انشا کا ایک بہت ہی موثر وسیلہ بن سکتا ہے۔ اس کے ذریعے بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوسکتی ہے اور تقریری اظہار کے عملی مواقع فراہم کیے جاسکتے ہیں۔

ابتدائی منزل اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس منزل پر لسانی مہارتوں کی داغ بیل پڑتی ہے، بالفاظ دیگر یہ بنیادی منزل ہے۔ اس لیے اس منزل پر اگر بے جھجک بولنے کی عادت ہوجائے تو آیندہ زندگی میں بہت مفید ثابت ہوگی۔

۵۔ نقلیں اور چٹکلے سنانا:

بچوں کو عام طور پر نقلیں سنانے میں بہت دلچسپی ہوتی ہے۔ اپنے گردوپیش وہ بہت سی چڑیوں اور جانوروں کی آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ ان آوازوں کی نقلیں بھی سناتے رہتے ہیں۔ اگر مدرسے میں کسی ایسے جلسے کا اہتمام کیا جاتے جس میں بچے آزادی کے ساتھ نقلیں سنا سکیں تو اس کے ذریعے بھی اظہار کا ایک اچھا موقع ملتا ہے۔ کلاس میں استاد بھی درسی کتاب کے اسباق کی مناسبت سے اپنے گھنٹے میں سے تھوڑا سا وقت

www.urduchannel.in

نکال سکتا ہے یا اس کے ذریعے مشق کے لیے، تحریک پیدا کرنے کا ایک عمدہ وسیلہ فراہم کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر درسی کتب میں بلّی اور کتّے پر کوئی سبق دیا ہوا ہے۔ اس سبق کو پڑھاتے وقت "میاؤں میاؤں اور" بھوں بھوں" کا لفظ طالب علم پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ اب مشق کے لیے استاد اپنے طالب علم سے کہہ سکتا ہے کہ کتّے کے بھونکنے کی نقل کریں یا بلّی کی نقل اتاریں اس طرح ان آوازوں کے ذریعے کلاس کے ماحول میں زندگی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے استاد طالب علموں کو تحریری کام بھی دے سکتا ہے۔ مثلاً کتّے کے بھونکنے کو ..... کہتے ہیں۔ یا بلّی کے بولنے کو ..... کہتے ہیں۔ ان مشاغل کے طفیل میں طلبہ کو پڑھائی لکھائی میں مزہ آنے لگتا ہے۔ اور یہی مزہ آموزش کی تحریک پیدا کرانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح چٹکلے سنانے میں بچّوں کی ہمت افزائی کی جا سکتی ہے۔ لیکن چٹکلا سنانے کے لیے طالب علموں کی ہمت افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ استاد کو اس بات پر بھی زور دینا چاہیے کہ چٹکلے فحش نہ ہوں بلکہ صاف ستھرے ہوں اور بچّوں کی عمر، ان کے مزاج اور ماحول سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اچھے چٹکلوں کا انتخاب ایک اہم مسئلہ ہے اور اس میں استاد، طالب علموں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

ان مشاغل سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بچّوں کی جھجک ختم ہو جاتی ہے اور وہ بے باکی کے ساتھ بولنے لگتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ پڑھنے لکھنے کے کام میں بھی دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

۶۔ ڈراما اور مونو ایکٹنگ:

ماہرین تعلیم نے اکثر موقعوں پر اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ڈرامے اور مونو ایکٹنگ کو تعلیم کا ایک بہت اچھا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ ابتدائی منزل کے بچّوں کے لیے اچھے ڈرامے بہت کم دستیاب ہیں پھر بھی استاد اگر تھوڑی سی کاوش کرے تو بعض اچھے ڈرامے مل سکتے ہیں۔ لیکن ڈرامے نہ ملنے کی صورت میں بھی ایک خلّاق استاد کلاس میں ڈرامائی کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ اردو کی درسی کتابوں میں بعض کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس دوران بچّوں سے مکالمے ادا کرائے جا سکتے ہیں اور ان مکالموں کے

www.urduchannel.in

ذریعے کرداروں کو ابھارا جاسکتا ہے۔ مکالموں کی ادائگی کے درمیان طلبہ کو اس بات کی تربیت دی جاسکتی ہے کہ وہ آواز کے اتار چڑھاو کے ساتھ مکالموں کو ادا کریں اور حرکات و سکنات سے مکالمے کے تقاضوں کو پورا کریں۔ اس طرح سبق پڑھوانے سے بچے فعال طریقے سے سبق میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ بچوں کی یہ دلچسپی پڑھائی اور لکھائی دونوں میں ترغیب کا کام دیتی ہے۔ اس کے ذریعے مشق کا عمل بھی دلچسپ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو کی درسی کتاب مرتبہ مکتبہ جامعہ میں 'مرغ آباد کا ڈراما' اور 'روٹیوں کا جلسہ' دو اسباق شامل ہیں۔ ان دونوں اسباق کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح مونو ایکٹینگ بھی ایک دلچسپ مشغلہ ہے جس کے ذریعے بچوں کو ایسی ترتیب دی جاسکتی ہے جس میں حرکات و سکنات، جذبات اور خیالات کا اظہار کیا جاسکے۔ اظہارِ ذات کا یہ ایک اچھا وسیلہ ہے۔

۷۔ پروجیکٹ کا طریقہ:

ہرچند کہ پروجیکٹ ایک طریقۂ تعلیم ہے تاہم محدود طریقہ سے اس کو زبان کی تعلیم کا ایک دلچسپ اور مفید وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور طلبہ میں ایسی زندگی پھونکی جاسکتی ہے جس سے وہ فعال طریقے پر مختلف موضوعات سے متعلق معلومات فراہم کرسکتے ہیں اور حاصل شدہ معلومات کو سلیقے کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لاسکتے ہیں۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے پروجیکٹ انھیں بچوں کے لیے موزوں ہوسکتے ہیں جو پڑھائی اور لکھائی کی بنیادی مہارتیں حاصل کرچکے ہوتے ہیں۔ چوتھی اور پانچویں کے طلبہ درج ذیل پروجیکٹ محدود طریقے سے چلا سکتے ہیں۔

۱۔ بیت بازی پروجیکٹ: اس پروجیکٹ کے تحت بچے ایسے اشعار کا انتخاب کرسکتے ہیں جو بیت بازی کے لیے موزوں ہوں۔

۲۔ پرندوں اور جانوروں کا پروجیکٹ: اس پروجیکٹ کے تحت بچے گردوپیش میں پائے جانے والے پرندوں اور جانوروں کی تصویریں حاصل کرکے ان کے نام اور ان کے بارے میں چند جملوں میں تفصیلات لکھ سکتے ہیں

۳۔ تاریخی عمارتوں کا پروجیکٹ: گردوپیش کی تاریخی عمارتوں کا ایک چھوٹا سا البم

www.urduchannel.in

تیار کیا جا سکتا ہے اور ان تاریخی عمارتوں سے متعلق مختصر معلومات فراہم کر کے صاف ستھرے جملوں میں لکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ دیواری اخبار پروجیکٹ: استاد اگر تھوڑی دلچسپی لے اور طالب علموں کی رہنمائی کرے تو مدرسے میں دیواری اخبار کا پروجیکٹ چلایا جا سکتا ہے اور اس کو زبان کی تعلیم کا ایک اچھا ذریعہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس اخبار میں چٹکلے اور دلچسپ خبریں دی جا سکتی ہیں۔ کھوئی ہوئی چیزوں کی اطلاع یا ضروری اعلان بھی دیواری اخبار کا معمول بن سکتا ہے اس پروجیکٹ کے ذریعے بچوں میں پڑھنے اور لکھنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔

غرض مدرسے کے اندر یہ تمام وسائل استعمال کیے جا سکتے ہیں اور ان کے ذریعے بچوں میں زبان کا شوق پیدا کیا جا سکتا ہے۔

www.urduchannel.in

۱۹۔ درسی کتاب

عام ملحوظات:

درسی کتاب اس کتاب کو کہتے ہیں جو کسی خاص نصاب کے پیش نظر تیار کی گئی ہو اور کلاس میں کسی مضمون سے متعلق پڑھائی جاتی ہو۔ عام طور پر درسی کتاب ہی تدریس کا مرکز ہوتی ہے۔ مضمون سے متعلق جو بھی مواد ترتیب و تنظیم کے ساتھ طلبہ تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے وہ درسی کتاب کے ہی ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ گویا ایک اعتبار سے درسی کتاب مواد مضمون کا آئینہ ہوتی ہے۔ جس میں مضمون کے پڑھانے کے اغراض و مقاصد، طریقۂ تدریس اور حصول مقصد کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس کی موجودگی میں استاد اپنی منزل سے بھٹکنے نہیں پاتا اور شاگردوں کو ہر قدم پر منزل مقصود کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اس کے ذریعے طالب علم کو آموزش کی رفتار کا بھی اندازہ ہوتا ہے گویا درسی کتاب سے استاد اور شاگرد کی کارکردگی ظاہر ہوتی ہے۔

درسی کتاب کی تاریخ:

درسی کتاب کی تاریخ پر اگر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ درس و تدریس ایک قدیمی روایت ہے لیکن درسی کتابوں کا سلسلہ بہت بعد میں شروع ہوا۔ درسی کتاب کی تیاری کے سلسلے میں ماضی میں جو کوشش کی گئی ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ سترہویں صدی میں سب سے پہلے اس سلسلے میں عملی قدم اٹھائے گئے اس سے قبل کسی درسی کتاب کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ استاد کے ارشادات کو ہی مستند سمجھا جاتا تھا۔

سترہویں صدی کے دو مشہور ماہرین تعلیم کومینس اور پستالوزی نے اپنے دور کے

www.urduchannel.in

تعلیمی دستور کو بہت متاثر کیا۔ ان کے خیالات سے نہ صرف درسی کتب کی تیاری میں بہت مدد ملی بلکہ مواد کی تنظیم و ترتیب کے سلسلے میں بھی ایک نئی طرز کی داغ بیل پڑی۔ ان ماہرین نے درسی کتب کی تیاری کے سلسلے میں جن نظریات کو پیش کیا ہے انھیں مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ کمونیس:

کمونیس کے زمانے میں جس قسم کا تعلیمی نظام رائج تھا اس میں زبان کی تعلیم کو کلیدی حیثیت حاصل تھی اور زبان کی تعلیم کو نصاب کا ایک اہم جز تصور کیا جاتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ زبان کی تعلیم میں عام طور پر کلاسیکی زبانوں کو ہی نصاب میں شامل کیا جاتا تھا۔ مزید یہ کہ زبان کی تعلیم کو عام طور پر صرف و نحو تک محدود رکھا جاتا تھا۔ کمونیس نے اپنے عہد کے نظام تعلیم کا تنقیدی جائزہ لیا اور تعلیمی دستور کی اصلاح کے لیے نئے نظریات پیش کیے۔ چنانچہ اس کوشش کے تحت کمونیس نے درسیات کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا یعنی مواد اور مضمون کے لحاظ سے زبان کے نصاب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ کمونیس کی یہ کوشش پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ ہر کتاب کو اپنے مواد کے لحاظ سے ایک نئی اہمیت حاصل ہے۔ تصویروں کی دنیا جو ایک مصور قاعدہ ہے، اس ضمن میں اوّلیت کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی پہلی کتاب ۱۶۵۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بچوں کی پہلی باتصویر کتاب ہے۔ اس کی دوسری کتاب 'الباب' ہے جو آسان زبان میں لکھی گئی ہے اور بچوں کی پہلی کتاب ہے جس میں الفاظ اور الفاظ سے جملے بنانا سکھایا گیا ہے۔ کمونیس کو نہ صرف اس معاملے میں اوّلیت حاصل ہے کہ اس نے زبان کی پہلی اور دوسری کتاب تیار کی بلکہ زبان سکھانے کا یہ سنہرا اصول بھی پیش کیا کہ الفاظ کو مجرد طور پر سکھانے کے بجائے مقرون اشیا کی مدد سے سکھانا بہتر ہوتا ہے۔ مضامین اور کتابوں کی شکل میں کمونیس کے خیالات نے اپنے عہد کے تعلیمی دستور پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ آج کی درسی کتب میں بہت کچھ کمونیس ہی کے خیالات کا عکس نظر آتا ہے۔

۲۔ پستالوزی:

پستالوزی نے زبان کی درسی کتاب کی تیاری اور مواد کی تنظیم و تربیت کی سمت نئی راہیں دکھائیں۔ اس وقت درسی کتب میں تعمیر سیرت اور اخذ معلومات پر زیادہ زور دیا

www.urduchannel.in

جاتا تھا۔ مواد کی تنظیم میں منطقی ترتیب کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ تعلیمی اور نفسیاتی ملحوظات کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس دور میں درسی کتب کی طباعت اور اشاعت کی جدید سہولتیں میسّر نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود مدرسوں میں مختلف قسم کی درسی کتب کا استعمال ہوتا تھا۔ عام طور پر طلبہ کے گھروں میں جو کتابیں میسّر تھیں انھیں کتابوں کو بچے پڑھنے کے لیے مدرسے میں لایا کرتے تھے۔ یہ صورت حال بہت عجیب تھی کہ ایک ہی جماعت میں ایک ہی مضمون کی کئی درسی کتب کا استعمال ہوتا تھا۔

چھاپہ خانے کی ایجاد:

صنعتی انقلاب نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا اور نت نئی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ چنانچہ تعلیمی دستور بھی اس سے متاثر ہوا۔ چھاپہ خانے کی ایجاد، طباعت اور اشاعت کا سلسلہ صنعتی انقلاب کا ہی رہینِ منت ہے۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر یورپ میں کتابوں کی طباعت و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ امریکہ میں چونکہ نوآبادیاتی نظام قائم تھا اس لیے وہاں اس دوران چھاپہ خانے کا رواج نہیں ہو پایا بلکہ عام طور پر یورپ سے ہی درسی کتب منگوائی جاتی تھیں۔ لیکن اُنیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی یہ کتابیں امریکہ میں بھی چھپنے لگیں۔ شروع شروع میں یورپ سے یہ کتابیں منگوا کر امریکہ میں چھپوائی جاتی تھیں لیکن بعد میں امریکی مصنّفین کی کتابیں چھپنے لگیں۔ یہ درسی کتب زیادہ تر ریاضی، قواعد اور ریڈرس پر مشتمل تھیں۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ہی درسی کتب کے سلسلے میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں، اور درسی کتب کی تیاری اور ان کی چھان پھٹک کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل پہلوؤں کو مدِّ نظر رکھا جانے لگا۔

۱۔ مصنّف کا نام
۲۔ تاریخِ طباعت
۳۔ مصنّف / مولف کا تجربہ
۴۔ کتاب کے میکانکی پہلو
۵۔ مواد کا انتخاب اور تنظیم

www.urduchannel.in

۶۔ طریقۂ تدریس اور امدادی کتب
۷۔ توضیحات کا استعمال

لیکن اس وقت تک درسی کتب کے جائزے کے لیے کوئی معروضی معیار مقرر نہیں ہو پایا تھا۔ اور نہ ہی ان کی اچھائی اور برائی پرکھنے کے لیے کوئی پیمانہ دریافت ہو پایا تھا۔

اردو کی درسی کتب:

درسی کتب کی ترتیب و تنظیم اور طباعت و اشاعت سے متعلق یوروپی خیالات و افکار کا ہندستان پر بھی گہرا اثر پڑا۔ ان اثرات کے تحت تعلیمی دستور میں بھی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ چنانچہ اردو زبان کی تعلیم و تدریس کے طور و طریقے بھی بدلنے شروع ہو گئے۔ اس سلسلے میں اردو کی درسی کتب کی بھی ضرورت محسوس ہوئی اردو کی ابتدائی درسی کتابوں کا سہرا مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی کے سر ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے سب سے پہلے اردو کی چار کتابیں تصنیف کیں۔ ان ریڈروں کو نمونہ بنا کر مولانا اسماعیل میرٹھی نے اردو ریڈروں کا نیا سلسلہ شروع کیا۔ اردو ریڈرس کی دنیا میں یہ ایک انقلابی قدم ثابت ہوا۔ مولانا کی ریڈرس بہت مقبول ہوئیں۔ مولانا نے سب سے پہلے ایک قاعدہ اور اردو کی پہلی کتاب مرتب کی۔ یہ دونوں کتابیں پہلی بار ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئیں۔ مولانا نے اس کے بعد چار کتابیں اور مرتب کیں۔ ۱۸۹۴ء میں یوپی کی ٹکسٹ بک کمیٹی نے ان کتابوں کی منظوری دے دی اور ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کے حکم سے یوپی کے تمام مدارس میں داخلِ نصاب کر دی گئیں۔ مولانا میرٹھی کی درسی کتابوں کو چھپوانے میں مولوی عبدالحق کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ ان نصابی کتابوں کی تیاری و طباعت میں انجمن ترقی اردو نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس دور میں نصابی کتابوں کی تیاری کا کام انفرادی طور پر ہوتا تھا۔ ادارے کی حیثیت سے سب سے پہلے انجمن ترقی اردو نے اور بعد میں مکتبہ جامعہ نے اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مکتبہ جامعہ تو تا حال بڑی خوش اسلوبی سے اس خدمت کو انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔

ریاستی سطح پر درسی کتب کی تیاری:

آزادی کے بعد تعلیم و تدریس کے میدان میں ترقی کے لیے جو قدم اٹھائے گئے ان میں درسی

www.urduchannel.in

کتب کی تیاری، طباعت اور اشاعت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ حکومت نے مرکزی اور ریاستی سطح پر درسی کتب کی تیاری کے لیے نئے نئے ادارے قائم کیے۔ آزاد ہندستان میں یہ پہلا موقع تھا کہ رضا کارانہ اداروں کے علاوہ ریاستی سطح پر درسی کتب کی تیاری کا کام شروع ہوا۔ ہمارے ملک میں چونکہ ریاستوں کی تشکیلِ نو، لسانی بنیاد پر کی گئی ہے اس لیے ہندستان کی بیشتر قومی زبانیں، متعلقہ ریاست کی ریاستی اور علاقائی زبانیں بھی ہیں۔ اردو کی حیثیت اس اعتبار سے انوکھی ہے کہ اس کی کوئی اپنی ریاست نہیں لیکن یہ ملک کے بیشتر علاقوں میں بولی پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ریاستی سطح پر اردو کی درسی کتب کی تیاری کے سلسلے میں سرکاری سطح پر بہ استثنائے چند کوئی باضابطہ کوشش نہیں ہوئی۔ مرکزی سطح پر این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی نے پرائمری درجات کے لیے اردو کی درسی کتابوں کی تیاری کا کام شروع کیا۔ ان میں بعض کتابیں تیار بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن ان کتابوں کی تقسیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہو پایا ہے۔ کشمیر میں چونکہ اردو سرکاری زبان ہے اس لیے وہاں ریاستی سطح پر اردو کی درسی کتابوں کی تیاری عمل میں آ رہی ہے۔ بہار میں اردو دوسری زبان کی حیثیت سے تسلیم کی جا چکی ہے اس لیے وہاں کی ریاستی سرکار نے بھی اردو کی درسی کتب کی تیاری کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ مہاراشٹر اور حیدرآباد میں بھی درسی کتب کی تیاری کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کوششیں بار آور ثابت ہوئی ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اردو کی درسی کتب کی تیاری، طباعت اور اشاعت کا معاملہ کافی حد تک تشویش ناک ہے۔

زبان کی درسی کتاب کی نوعیت:

زبان کی درسی کتاب دیگر مضامین کی درسی کتب سے مختلف ہوتی ہے زبان کی درسی کتاب کے بغیر زبان کی تدریس ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ کسی حد تک متنازعہ فیہ بھی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ زبان کی درسی کتاب کی قطعی ضرورت نہیں اور بعض کا خیال ہے کہ درسی کتاب زبان کی تعلیم کے لیے ناگزیر ہے۔

اوّل الذکر خیال کے حامی یہ دلیل دیتے ہیں کہ درسی کتاب کی موجودگی میں طلبہ کا حلقۂ عمل محدود ہو جاتا ہے اور وہ اخذِ معلومات کے وسیع ذرائع اختیار کرنے کے بجائے محدود وسیلے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ اس طرح طالب علم کے علم میں وسعت نہیں پیدا ہو پاتی۔ درسی کتاب کی موجودگی میں استاد کو بھی جولانیٔ طبع دکھانے کا موقع نہیں ملتا اور وہ درسی کتاب کا پابند ہو کر

www.urduchannel.in

رہ جاتا ہے۔ اس خیال کے حامیوں کا ایک اہم اعتراض یہ بھی ہے کہ درسی کتب میں جدید اور تازہ معلومات کا فقدان ہوتا ہے اور ان کی تیاری میں علمی نقطۂ نظر کو بہت کم ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے عملِ تدریس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ درسی کتاب میں چونکہ طلبہ کے انفرادی معیار کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا اس لیے وہ ان کتابوں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے اس لیے انھیں اس مضمون سے دلچسپی نہیں پیدا ہو پاتی اور وہ طوعاً و کرہاً یہ مضمون پڑھتے ہیں۔

ان اعتراضات میں بڑی حد تک صداقت نظر آتی ہے۔ لیکن یہ تمام اعتراضات درسی کتاب کی نوعیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان اعتراضات سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ درسی کتب کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

درسی کتاب کے حامی اپنی بات کی تائید میں یہ فرماتے ہیں کہ درسی کتاب کے ذریعے استاد کو یکجا طور پر موادِ مضمون فراہم ہو جاتا ہے۔ متن کے بغیر تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی جیسے مضامین تو پڑھائے جا سکتے ہیں لیکن زبان پڑھانے کے لیے متن کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس کی وجہ سے تدریسی عمل میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ طلبہ کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی انفرادی خامیوں سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ درسی کتاب کے ذریعے طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ ایسے الفاظ سیکھ لیتے ہیں جو ان کے آئندہ مطالعے اور اظہارِ خیال میں معاون ہوتے ہیں۔

طالب علم کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو درسی کتاب کی عدم موجودگی میں وہ بے بس ہوتا ہے۔ اور اس کو محض انھیں معلومات پر اکتفا کرنی پڑتی ہے جو استاد نے فراہم کی ہیں۔ اگر استاد بے توجہی برتتا ہے تو طالب علم خسارے میں رہتے ہیں لیکن درسی کتاب کی موجودگی میں کم سے کم وہ اسباق تو استاد کو پڑھانے ہی ہوں گے جو درسی کتاب میں شامل ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کر سکتا ہے کہ اسباق کے ساتھ انصاف نہ کرے اور تشریح و توضیح کا عمل تشنہ رہ جائے

درسی کتاب کی ظاہری خوبیاں:

درسی کتاب کی تمام تر اہمیت اور افادیت اس بات پر موقوف ہے کہ درسی کتاب اصولِ تعلیم کے مطابق تیار کی جائے اور اس کی ظاہری و باطنی خوبیوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

جہاں تک درسی کتاب کی ظاہری خوبیوں کا تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

www.urduchannel.in

ظاہری خوبیاں:

کاغذ:- درسی کتاب کا کاغذ سفید ہونا چاہیے تاکہ چھپنے کے بعد الفاظ واضح طور پر صاف دکھائی دیں۔ نگاہ کو کوئی دقت نہ ہو۔

——— کاغذ دبیز اور موٹا ہونا چاہیے تاکہ کاغذ کی دوسری طرف روشنائی نظر نہ آئے اور دوسرے صفحے کے الفاظ پر دھبا نہ پڑنے پائے۔

——— کاغذ چکنا ہو تاکہ پڑھنے میں دقت نہ ہو۔

——— کاغذ پائیدار ہو تاکہ بار بار استعمال سے کتاب پھٹنے نہ پائے۔

کتابت وطباعت:

——— جلی حروف میں کتابت ہو تاکہ پڑھتے وقت طلبہ کو دشواری نہ محسوس ہو۔

——— کتابت کھلی کھلی اور صاف صاف ہو تاکہ پڑھنے میں طلبہ کو دشواری نہ ہو۔

——— الفاظ کا املا ایک ہی طرح سے لکھا جائے تاکہ ملواں شکل میں طلبہ کو الفاظ پڑھنے میں دقت نہ محسوس ہو۔

توضیحات: درسی کتاب میں خوبصورت، رنگین اور توضیحی نوعیت کی تصویریں ہونی چاہییں اور سرورق بھی دیدہ زیب ہو تاکہ طلبہ کتاب کی جانب راغب ہو سکیں۔

جلد: درسی کتاب کی جلد مضبوط ہونی چاہیے تاکہ کثرتِ استعمال سے کتاب بوسیدہ نہ ہونے پائے اور اس کی جز بندی بکھرنے نہ پائے۔

——— کتاب کی جلد خوبصورت اور دل کش ہونی چاہیے تاکہ طلبہ کتاب کی جانب متوجہ ہوں اور شوق اور دلچسپی کے ساتھ کتاب اٹھائیں اور پڑھیں، کتاب خوبصورت ہو تو کتاب کی حفاظت کا بھی رجحان پیدا ہوتا ہے۔

باطنی خوبیاں:

پرائمری درجات کے لیے اردو کی درسی کتاب کی تیاری میں خصوصیت کے ساتھ ان باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

www.urduchannel.in

انتخابِ موضوع: موضوعات کے انتخاب میں تنوع کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے کردو پیش کی زندگی کے تمام اہم موضوعات کو داخلِ نصاب کرنا چاہیے

——— پرائمری درجات میں چونکہ لسانی مہارتیں پیدا کرانا مقصود ہوتا ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ ایسے موضوعات کو منتخب کرنا چاہیے جو بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں۔

انتخابِ مواد: اس سطح کی درسی کتاب کے لیے مواد کے انتخاب کا مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا مواد کی فراہمی، مواد کی ترتیب و تنظیم کا ہے۔ اس سطح کے لیے تیار شدہ مواد مشکل سے ہی ہاتھ آتا ہے نظموں میں تو اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ شعرا کے یہاں ایسے گیت، ایسے ترانے اور ایسی نظمیں مل جاتی ہیں جو پرائمری درجات کے طلبہ کے لیے موزوں ہوں لیکن نثر کے اسباق تو کلیتاً درسی کتاب کے مرتب کو خود ہی لکھنے ہوتے ہیں یا ایسے لوگوں سے لکھوانے ہوتے ہیں جو بچوں کی زبان استعمال کر سکتے ہوں اور بچوں کی متعلقہ ذہنی سطح سے واقف ہوں۔ اس سطح کی درسی کتاب کی وہی زبان ہونی چاہیے جو روزمرہ زندگی میں بچے استعمال کرتے ہوں۔

موادِ مطالعہ کا انتخاب کرتے وقت عام طور پر جس پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ ہے اقدار کے فروغ کا معاملہ۔ اردو کی تدریسی کتاب محض فراہمی معلومات کا ذریعہ نہیں اور لسانی مہارتوں کے حصول کا کوئی میکانکی وسیلہ نہیں بلکہ طالب علموں میں صحت مند اقدار کے فروغ کا اہم ذریعہ ہے۔ موجودہ درسی کتابوں کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری درسی کتابوں کے ذریعے بہت سے منفی رجحانات غیر شعوری طور پر ذہنوں میں رچ بس گئے ہیں مثلاً ذات پات، چھوت چھات، نسلی امتیاز اور علاقائی تعصب کے رجحانات بھی در آئے ہیں۔ تنقلی اور سائنسی رویوں کے اعتبار سے بھی ان کتابوں میں منفی رجحانات پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے طالب علموں میں مریضانہ ذہنیت، پست ہمتی اور شکست خوردگی کا جذبہ پروان چڑھنے لگتا ہے۔ اس لیے اسباق کا انتخاب کرتے وقت قومی اقدار کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہمارا ملک ایک جمہوری اور سیکولر ملک ہے۔ اس میں مختلف قوموں اور مذہبوں کے لوگ آباد ہیں ہماری تہذیب ایک گنگا جمنی تہذیب ہے۔ اس لیے ہماری درسی کتابوں میں قومی ہم آہنگی اور علاقائی مفاہمت کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیے۔

طلبہ کی لسانی ترقی کے ساتھ ساتھ درسی کتاب میں دشوار اسباق بتدریج اور بالترتیب آتے جائیں۔ اس طرح طلبہ مطالعے سے گھبرائیں گے نہیں۔

www.urduchannel.in

اسباق درجہ وار اور ترتیب وار لفظیات پر مشتمل ہوں تاکہ طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں تدریج اضافہ ہوتا جائے۔ اردو میں یہ کام قدرے دشوار ہے۔ انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں یہ کام ہو چکا ہے۔

درسی کتاب میں لفظیات کی دقت کا تجزیہ بھی ہونا چاہیے۔ یہ تجزیہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ مشترک اور عام استعمال میں آنے والے الفاظ کی ایک فہرست مرتب کر لی جاتی ہے۔ پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس فہرست کی رو سے درسی کتاب میں کتنے الفاظ مشکل ہیں اور کتنے آسان۔ اردو میں اور شاید کسی بھی ہندستانی زبان میں اس طرح کی الفاظ شماری نہیں ہوئی ہے لیکن تھارن ڈائک اور گرے نے اس طرح کی الفاظ شماری کی ہے اور اس سے زبان کی درسی کتاب کی تیاری میں کافی مدد ملی ہے۔

اس منزل کی درسی کتاب میں خصوصیت کے ساتھ جملے چھوٹے ہونے چاہییں اور زیادہ سے زیادہ سادے جملے استعمال کیے جائیں تاکہ طلبہ کو پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

درسی کتاب اس ترتیب کے ساتھ مرتب کرنی چاہیے کہ طلبہ کو عبارت خوانی کا پورا موقع ملے تاکہ وہ اخذِ معنی کر سکیں اور نفسِ مضمون سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

اسباق کے آخر میں کچھ نہ کچھ ایسے عمل کام ضرور ہونے چاہییں جن سے ان باتوں کے اعادے کا عملی طور پر موقع مل سکے جن کو طالب علم نے سبق کے دوران سیکھا ہے۔

www.urduchannel.in

۲۰۔ بچّوں کا ادب

عام ملحوظات:

بچّوں کے ادب سے کیا مراد ہے یہ ایک اہم سوال ہے۔ کس قسم کے ادب کو بچّوں کا ادب کہا جائے گا۔ بڑوں کے ادب سے یہ کس اعتبار سے مختلف ہوگا۔ اگر بچّوں کے ادب کی تعریف بیان کرتے وقت یہ نظریہ قائم کیا جائے کہ بچّوں کے ادب سے مراد وہ ذخیرۂ ادب ہے جو خاص طور سے بچّوں کے لیے لکھا گیا ہو اور زبان و بیان اور افادیت کے لحاظ سے بچّوں کے لیے موزوں ہو تو بھی بچّوں کے ادب کی مکمّل تعریف نہیں ہو پاتی۔ اس لیے کہ اس تعریف میں اس غلط فہمی کی گنجایش باقی رہتی ہے کہ اگر بڑوں کے موضوعات کو آسان زبان میں پیش کر دیا جائے تو وہ بچّوں کے ادب کی تعریف میں آسکتا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ بڑوں اور بچّوں کی فطرت الگ الگ ہوتی ہے۔ دونوں کی نفسیات علاحدہ ہوتی ہے۔ اور دونوں کی زندگی کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے بچّوں کے موضوعات اور بڑوں کے موضوعات میں کافی فرق ہوتا ہے۔ بچّوں کا تصوّراتی مواد اور لسانی مواد بالغوں سے مختلف ہوتا ہے۔ بچّوں کے ادب کو بڑوں کے ادب سے ممیّز کرنے میں یہ ایک اہم نکتہ ہے جس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اگر بچّوں کے ادب کی پرکھ کا کوئی معقول معیار پیشِ نظر ہو تو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ بات جو ادیب نے بچّوں کی زبان میں کہی ہے دراصل آسان زبان ہوتے ہوئے بھی بچّوں کی زبان نہیں ہے۔

بچّوں کے ادب میں نظم اور نثر دونوں ہی اصناف شامل ہوتے ہیں یعنی وہ تمام مواد موجود ہوتا ہے جو بچّوں کے مطالعے میں آتا ہے۔ بچّوں کے آموزشی تجربات دو سطح پر ہوتے ہیں۔ ایک

www.urduchannel.in

کلاس میں دوسرے کلاس کے باہر۔ کلاس میں بچوں کے مطالعے میں جو مواد رہتا ہے وہ درسی کتاب کی شکل میں ہوتا ہے۔ جس کا ذکر علاحدہ سے درسی کتاب کے باب میں کیا گیا ہے یہاں صرف غیر نصابی مواد ہی موضوعِ بحث ہوگا۔ غیر نصابی مطالعے کے تحت بچوں کے مطالعے میں فکشن، معلوماتی ادب اور بیانیہ نظموں پر مشتمل شعری ادب شامل ہوتا ہے۔ فکشن میں روایتی قصے کہانیاں اور سائنسی کہانیاں بچوں میں بے حد مقبول ہیں۔ معلوماتی ادب میں سماجی، مذہبی اور سوانحی ادب شامل کیا جاتا ہے۔

فن کی حیثیت سے بچوں کے ادب کی تخلیق بڑوں کے ادب سے مشکل ہے۔ بڑوں کے ادب کا خالق اپنے دور کی گہری بصیرت رکھتا ہے۔ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے اور ادب کے ذریعے اپنے دور کی عکاسی کرتا ہے۔ لیکن بچوں کے ادب کی تخلیق کے لیے اس کو بچوں کی فطرت کا رازداں بننا پڑتا ہے اور اپنے ادب پارے کو موضوع اور اسلوب بیان کے لحاظ سے بچوں کی فطرت سے ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے تاکہ بچے اس ادب کا مطالعہ کرکے مسرت حاصل کر سکیں موضوع کتنا ہی غیر اہم اور روکھا پھیکا کیوں نہ ہو اگر پیرایۂ بیان شگفتہ ہے اور بچوں کے من کو گدگدا سکتا ہے تو وہ بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ خیال ارفع اور جذبہ صادق ہونے کے باوجود اگر اس میں زبان کی لطافت اور بیان کا حسن شامل نہیں تو وہ تحریر بچوں کے لیے غیر دلچسپ ہوگی۔

فنی حیثیت سے بچوں کے ادب کی تخلیق میں بڑی حد تک آورد کا دخل ہوتا ہے آمد کا نہیں۔ یعنی بچوں کا ادیب و شاعر بچوں کے لیے ادب تخلیق کرتے وقت احساس و تجربے کی اس کیفیت سے آشنا نہیں ہوتا جس سے شاعر و ادیب عام طور پر دوچار ہوتے ہیں اور نہ ہی اس میں جذبے کی وہ شدت ہوتی ہے جو اظہار کے لیے اکساتی ہو۔ اس کے برعکس بچوں کے ادیب و شاعر کو بچہ بن کر تخلیقی تجربات سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ یقیناً ایک مشکل مرحلہ ہے جس سے بہت کم ادیب و شاعر عہدہ برا ہو پاتے ہیں۔

بچوں کے ادب کی تاریخ:

بچوں کے ادب کی تاریخ اردو ادب کی تاریخ سے کہیں زیادہ مختصر ہے اردو میں علمی و لوبی کتابوں کا سلسلہ تو اٹھارویں صدی کے آغاز سے ہی شروع ہو چکا تھا لیکن بچوں کے ادب

www.urduchannel.in

کی جانب توجہ بہت بعد میں شروع ہوئی۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ انگریزی زبان و ادب کی بدولت جب جدید خیالات نے ہندستان میں رجحان پایا تو بچوں کے ادب کی ضرورت کا بھی احساس عام ہونے لگا۔ دہلی اور پنجاب میں اردو زبان و ادب کا بازار گرم ہوا۔ محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، پیارے لال آشوب، ڈپٹی نذیر احمد جیسے شہرۂ آفاق ادیبوں اور شاعروں نے اردو شعر و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے کتابیں تصنیف کیں۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کے ادب کا آغاز انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہو چکا تھا۔ لیکن بیسویں صدی میں اس کی تخلیق و اشاعت کا کام بہت تیزی سے شروع ہوا اور بچوں کے لیے عمدہ کتابیں شائع ہونے لگیں۔ بچوں کی کتابوں کے بڑے مراکز بھی قائم ہوئے دہلی، لاہور، حیدرآباد لکھنؤ، دارالاشاعت پنجاب، فیروز اینڈ سنز لاہور، انڈین پریس آلہ آباد، نسیم بک ڈپو لکھنؤ، عبدالحق اکادمی حیدرآباد اور مکتبہ جامعہ نئی دہلی ان میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

کتابوں کی اشاعت کے علاوہ بچوں کے لیے رسالے بھی نکلنے شروع ہوئے۔ لاہور سے 'پھلواری'، بجنور سے 'غنچہ'، کراچی سے 'نونہال'، سیالکوٹ سے 'بچوں کا باغ'، لکھنؤ سے 'کلیاں'، ناگپور سے 'کرنیں'، کلکتہ سے 'غنچہ'، حیدرآباد سے 'ننھا'، رام پور سے 'نور' اور مکتبہ جامعہ سے 'پیام تعلیم' شائع ہونے لگے جو خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مکتبہ جامعہ کا قیام ۱۹۲۲ء میں عمل میں آیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر عابد حسین جیسی شخصیتوں کی سرپرستی میں ۱۹۲۶ء میں "پیام تعلیم" کا اجرا ہوا۔ ان بزرگوں کی ترغیب سے محمد شفیع الدین نیر، عبدالواحد سندھی، حسین خاں اور الیاس مجیبی نے خصوصیت کے ساتھ بچوں کے لیے لکھنا شروع کیا۔

آزادی کے بعد مختلف جہات میں ترقیاتی پروگرام شروع کیے گئے۔ بچوں کے ادب کی ترویج و اشاعت بھی انھیں ترقیاتی پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ نیشنل بک ٹرسٹ، نیشنل کونسل آف ریسرچ اینڈ ٹریننگ اور ترقی اردو بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور ملک گیر سطح پر بچوں کے ادب کا فروغ ہونے لگا۔ لیکن دیگر زبانوں کے مقابلے میں اردو میں بچوں کے ادب کی رفتار سست تھی۔ تاہم بچوں کی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے مختلف موضوعات پر بچوں کے لیے کتابیں تصنیف کی جانے لگیں۔ فکشن میں کرشن چندر اور عصمت چغتائی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ کرشن چندر نے بچوں کے لیے فنتاسی کی داغ بیل ڈالی اور مہماتی قصے اور سائنسی فکشن بھی لکھا۔ عصمت چغتائی نے بھی خصوصیت کے ساتھ فکشن لکھا جو زبان و بیان کی شگفتگی کے لحاظ سے خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

www.urduchannel.in

راجا مہدی علی خاں نے بچّوں کے لیے جو کچھ لکھا ان میں شوخی اور ظرافت کی چاشنی ملتی ہے۔ اطہر پرویز نے بچّوں کے لیے کہانیاں لکھیں۔ ذکی انور اور احمد جمال ہاشم نے خصوصیت کے ساتھ بچّوں کے لیے ڈرامے اور کہانیاں لکھیں۔ قرۃ العین حیدر نے بچّوں کے لیے دیگر زبانوں سے اردو میں ترجمے کیے۔ سلام مچھلی شہری، جگن ناتھ آزاد، قتیل شفائی نے دلچسپ موضوعات پر بچّوں کے لیے نظمیں لکھیں۔

بچّوں کے ادب کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ بچّوں کے ادب میں اچھا اور برا ہر طرح کا ادب شامل ہے۔ اچھے اور برے کی تمیز بچّوں کو تو ہو نہیں سکتی۔ انھیں تو کچھ پڑھنے کو چاہیے۔ اگر اچھا ادب مہیا کیا جائے گا تو وہ اچھے ادب کا مطالعہ کریں گے اور اگر بُرا ادب میسّر آگیا تو بُرا ادب پڑھیں گے۔ عام طور پر بچّوں کے مطالعے میں جو کتابیں آتی ہیں وہ بچّوں کی تسکین کا باعث نہیں ہوتیں ان کتابوں میں منفی رجحانات بھی کافی ملتے ہیں۔

بچّوں کی عمر ایک تعمیری اور تشکیلی عمر ہوتی ہے۔ یہ ذہنی، جسمانی اور سماجی نشوونما کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں تصوّرات جنم لیتے ہیں۔ تخیّل کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اور نئے رویّوں کی داغ بیل پڑتی ہے اس لیے بچّوں کے لیے ایسا ادب مہیا کرنا چاہیے جس میں زندگی خوشی سے جھومتی نظر آئے ایسی زندگی جس پر دکھ، درد، مایوسی اور پست ہمتی کا سایہ بھی نہ پڑا ہو۔ وہ زندگی جو بچّوں کو جینے اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ دے اور انھیں حقیقی مسرّت سے ہم کنار کرے۔

بچّوں کے لیے موزوں ادب:

ان مباحث کے پیشِ نظر بچّوں کی عمر کی مناسبت سے موزوں ادب فراہم کرنا ضروری ہے۔ ماہرینِ نفسیات نے بچّوں کی عمر کی کئی منزلیں بتائی ہیں۔ ہر منزل کے بچّوں کی نفسیات میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر منزل کے لیے نفسیاتی تقاضوں کے تحت کتابیں تیار کرنی چاہییں۔ زیرِ نظر کتاب چونکہ پرائمری منزل سے تعلق رکھتی ہے اس لیے بچّوں کے ادب کی تیاری کے سلسلے میں قبل پرائمری سطح کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے

پہلی منزل:

ماہرینِ نفسیات کے مطابق بچّوں کی نشوونما کی پہلی منزل پانچ سال سے کم عمر کے

www.urduchannel.in

بچوں پر مشتمل ہے۔ اس منزل کو قبل مدرسہ منزل کہتے ہیں۔ یہ مطالعے کی منزل نہیں ہوتی لیکن یہ منزل ہوتی ہے دلچسپ ۔ یہ دیکھنے سننے اور کچھ نہ کچھ کرنے کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر کے بچوں کو سیدھی سادی، آسان اور چھوٹی کہانیاں پسند آتی ہیں۔ اس منزل پر بچوں کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ گھر کے افراد سے دلچسپی لیں۔ ماں باپ، بھائی بہن، دادا دادی اور نانا نانی ان کے جانے پہچانے کردار ہوتے ہیں اسی طرح گرد و پیش کی زندگی سے بھی ان کو دلچسپی ہوتی ہے۔ پالتو جانوروں اور آس پاس کی چڑیوں کو وہ خوب توجہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی بولیاں سنتے ہیں۔ اور ان کی نقل بھی کرتے ہیں۔ ان کے کھلونے بے جان ہونے کے باوجود چلتے ہیں۔ دوڑتے ہیں اور گرتے ہیں اور انھیں چوٹ بھی لگتی ہے۔ ان کی مرہم پٹی بھی ہوتی ہے ۔ جن کہانیوں میں ان کے تخیل کو دوڑنے، اڑنے اور تیرنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں وہی کہانیاں انھیں اچھی لگتی ہیں۔ اور انھیں کہانیوں میں وہ مسرت کے لمحات سے دوچار ہوتے ہیں۔ دکھ بھری کہانیاں انھیں اچھی نہیں لگتیں انھیں گیت بھی بھلے لگتے ہیں ۔ ان گیتوں میں الفاظ کی تکرار سے لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایسے گیت اور ایسی نظمیں انھیں پسند آتی ہیں جن میں الفاظ کی تکرار ہو، صوتی آہنگ اور ترنم کی کیفیت ہو۔

اس منزل کے بچوں کے لیے بول چال اور گیت اور کہانی کی زبان ایک ہونی چاہیے۔ زبان سہل ہو، کہانی کے جملے چھوٹے ہوں۔ کہانی کے کردار جانے پہچانے ہوں۔ کہانی میں رنگ برنگی تصویریں ہوں۔ اس منزل کے بچے چونکہ متلوّن مزاج ہوتے ہیں اس لیے بہت دیر تک کسی ایک پہلو پر توجہ مرکوز کرنا ان کے لیے ممکن نہیں۔ کہانی کا خاتمہ ایسا ہونا چاہیے جو بچوں کو خوش کر دے انھیں چونکا دے یا اُن میں تجسس کی کیفیت پیدا کر دے۔

دوسری منزل:

یہ منزل چھے سے بارہ سال تک کے بچوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور یہی خصوصیت کے ساتھ پرائمری تعلیم کی منزل ہوتی ہے۔ ادنا ابتدائی کے بچے پڑھائی کی مہارتیں سیکھ رہے ہوتے ہیں۔ متوسط ابتدائی کے بچے یہ مہارتیں سیکھ چکے ہوتے ہیں لیکن کسی قدر خام ہوتے ہیں اور اعلا ابتدائی کے بچے سہولت کے ساتھ کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا ان تینوں سطحوں کے لیے مناسب مواد فراہم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس منزل کے بچے اپنے گرد و پیش کی دنیا میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ انھیں

www.urduchannel.in

اشخاص میں بھی دلچسپی ہوتی ہے۔ لوگ کیا سوچتے ہیں، کیا محسوس کرتے ہیں۔ ان کا رہن سہن، لباس اور طور طریق کیسا ہے انھیں کہانیاں سننے سے زیادہ کہانیاں پڑھنے میں دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کے لیے کہانیوں کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کہانی زبان مشکل نہ ہو، ساتھ ہی ساتھ کہانی دلچسپ بھی ہو۔ کہانی رواں دواں ہو، آگے بڑھتی جائے تاکہ بچوں کی دلچسپی قائم رہے۔

بچوں کی کہانیوں کا پلاٹ ایسا ہو جس سے بچے مانوس ہوں۔ انھیں یہ محسوس ہو کہ کہانی کا پلاٹ ان کا جانا بوجھا ہے، ان کی اپنی دنیا کا پلاٹ ہے کہانی کے کردار بچوں کی عمر سے بڑے ہوں تو بچے ان کرداروں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ مہماراتی کہانیاں بھی بچوں کو اچھی لگتی ہیں۔ سائنس کے نئے نئے کرشمے بچوں کے لیے دل کشی کا باعث ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی عمر اور لسانی استعداد کے لحاظ سے انھیں ایسی کتابیں پڑھنے کے لیے دینی چاہییں جن سے ان کی نظر میں وسعت پیدا ہو اور ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہو۔

بچوں کے ادب میں نظم کی اہمیت مسلّم ہے۔ نظموں کے مطالعے سے زبان میں شائستگی اور شگفتگی پیدا ہوتی ہے۔ جدید سمعی و بصری وسائل کی یلغار نے بچوں کو ان روایتی وسائل سے محروم کر دیا ہے جن سے وہ اپنے گھروں میں محظوظ ہوا کرتے تھے۔ اب تو دادی اماں بھی لوری سنانے کی ٹیپ کی ہوئی لوری سنانا پسند کرنے لگی ہیں۔ اور کیوں نہ ہو، جدید زندگی کی برکتوں سے لطف اندوز نہ ہونا بھی تو کفرانِ نعمت ہے۔ پھر یہ بھی تو ہوا ہے کہ روایتی خاندان بکھر سے گئے ہیں۔ اب تو دادی کہیں کسی گانو میں اور پوتے کسی شہر میں زندگی گزار رہے ہوں گے۔ نئی اور پرانی نسل کا یہ بُعد تو جدید زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ ایسی صورت میں وہ شخصی لگاؤ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ جو دادی اماں یا نانی اماں کے کہانی سنانے سے پیدا ہوتا ہے۔ شہری زندگی کا ایک اپنا بھی تناؤ ہے۔ اس کا اثر بچوں پر بہت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

اس تناؤ اور دباؤ کو کم کرنے اور اس کو گوارا کرنے کا ایک بہت اچھا ذریعہ نظم خوانی ہے، نظم کی جانب بچوں میں چونکہ فطری جھکاؤ ہوتا ہے اور صوت و آہنگ میں چونکہ دل کشی ہوتی ہے اس لیے بچے جلدی نظمیں یاد کر لیتے ہیں اور دیر تک یاد رکھتے ہیں۔ نظم ان کے لیے ایک کھلونے کا کام کرتی ہے اور اس کے ذریعے بچے کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ زندہ موضوعات کا انتخاب کیا جائے اور نظم میں ایسی روانی اور تصویر آفرینی ہو کہ بچہ اس کے مطالعے سے لطف اندوز ہو سکے اور ان کے تخیل میں وسعت پیدا ہو سکے۔

www.urduchannel.in

اردو میں ایسی بیانیہ نظموں کی کمی نہیں ہے۔ نمونے کے طور پر دو نظموں کے اقتباسات ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ اکبر کی نظم ہے 'دریا کی روانی' اس میں دریا کی روانی کا بیان اتنے عمدہ ڈھنگ سے کیا گیا ہے کہ نظم پڑھتے وقت ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے واقعی بہتے وقت دریا گاہے اچھلتا ہے گاہے مچلتا ہے اور گاہے موجوں کا ترنم سنائی دینے لگتا ہے۔ دوسری نظم 'بائسکل' ہے جو شہباز نے لکھی ہے۔ اس میں بھی بائسکل چلنے کی کیفیت کو نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان نظموں سے بچوں میں دل بستگی اور دماغی ترقی بھی ہوتی ہے۔ ایسی نظموں کو پڑھنا اور حفظ کرنا بچوں کے لیے بہت مفید مشغلہ ہوتا ہے۔ ان نظموں کے ذریعے بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور لفظوں کی بندش کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں نظموں کے اقتباسات کو پڑھنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان نظموں کی خصوصیات کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کہاں تک درست ہے۔

اکبر الہ آبادی — روانیِ دریا

پانی کی روانی کا بیان ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ گاتا اور بجاتا ہوا — وہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
ادھر جھومتا اور نکلتا ہوا — ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا، جوش کھاتا ہوا — بگڑ کر وہ کف منہ میں لاتا ہوا
ادھر گونجتا، گنگناتا ہوا — ادھر خود بخود بھنبھناتا ہوا
لپٹتا ہوا، اور چمٹتا ہوا — یہ پھٹتا ہوا اور سمٹتا ہوا
پھسلتا ہوا، ڈگمگاتا ہوا — لچکتا ہوا، لڑکھڑاتا ہوا
لرزتا ہوا، تلملاتا ہوا — بلکتا ہوا، بلبلاتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا — سنبھلتا ہوا اور چہکتا ہوا

www.urduchannel.in

یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں
بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

اب ذرا شہباز صاحب کی بائسکل چلتے ہوتے دیکھیے۔ کیا خوب چلتی ہے۔ کتنے لطف کے ساتھ چلتی ہے اور شاعر نے اس کی بانکی چال اور پُرلطف کیفیت کو کاغذ پر اس طرح اتارا ہے کہ نظم خوانی میں بائسکل چلانے کا لطف آجائے۔

شہباز	بائسکل
سرکتی ہوئی، سرسراتی ہوئی	لچکتی ہوئی تھرتھراتی ہوئی
کہیں کودتی اور لپکتی ہوئی	کہیں ناچتی اور تھرکتی ہوئی
کہیں سیدھ میں جاکے مڑتی ہوئی	کہیں اوج پر چڑھ کے اڑتی ہوئی
نزاکت سے چڑھتی اترتی ہوئی	اترنے میں سو گل کترتی ہوئی
کہیں چلتے چلتے جھجھکتی ہوئی	کہیں میل سے آگے بڑھتی ہوئی
جھلکتی ہوئی جھلجھلاتی ہوئی	چمکتی ہوئی جگمگاتی ہوئی
کہیں جاکے رُکتی اٹکتی ہوئی	ہوا میں الٹتی پلٹتی ہوئی
کہیں گرتے گرتے سنبھلتی ہوئی	کہیں رکتے رکتے نکلتی ہوئی

بہت ہو چکی برق سے نوک جھونک
بس اب بائسکل اپنی شہباز روک

اردو میں ایسی بہت سی بیانیہ نظمیں ہیں جو بچوں کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں۔

www.urduchannel.in

۲۱۔ سبق کے اشارات

درس و تدریس میں سبق کے اشارات کی بڑی اہمیت ہے۔ کامیاب اور موثر تدریس کے لیے ضروری ہے کہ سبق پڑھانے سے قبل استاد کو اس بات کا علم ہو کہ اس کو کیا پڑھانا ہے اور کیسے پڑھانا ہے۔ اُسے منزل اور راہِ منزل دونوں سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ وہ مناسب طور پر سبق کی تیاری کر سکے۔ اس کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ سبق کا کس طرح تعارف کرایا جاتا ہے اور پیش کش کیسے کی جاتی ہے۔ ایک اچھا سبق پڑھانے کے لیے ضروری ساز و سامان کا بھی علم ہونا ضروری ہے۔ غرض استاد کو ان تمام پہلوؤں سے باخبر ہونا چاہیے جو موادِ مضمون کی ترسیل و تفہیم میں معاون ہوتے ہیں۔

سبق کے اشارات دراصل وہ اہم نکات ہیں جن کے مطابق درس دیتے وقت استاد اقدام کرتا ہے اور اپنے تدریسی عمل کو موثر بناتا ہے۔ مدرسوں میں عام طور پر پڑھاتے وقت سبق کے اشارات کے استعمال کا رواج نہیں ہے لیکن تربیتی اداروں میں باقاعدہ اشارات سبق تیار کروائے جاتے ہیں اور انھیں اشارات کے مطابق اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔ اس طرح زیرِ تربیت استاد کو اس بات کی معقول تربیت مل جاتی ہے کہ وہ پڑھانے سے قبل اپنے مضمون کو بخوبی تیار کرلے۔ طلبہ میں دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر یا تصورات کی وضاحت و صراحت کے پیشِ نظر تدریسی ساز و سامان فراہم کرے اور مواد کے انتخاب، اکائیوں کی تقسیم موادِ مضمون کی ترتیب و تنظیم و باہمی ربط و تسلسل کو قلم بند کرے۔

تدریسی عمل میں مضمون کی تیاری کو بڑا دخل ہے۔ چاہے استاد زیرِ تربیت ہو یا تربیت یافتہ

www.urduchannel.in

تدریسی عمل کو بہتر بنانے کے لیے نہ صرف مضمون پر قدرت ہونی چاہیے بلکہ موادِ مضمون کو پیش کرنے کے طور و طریق سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔ ضروری نہیں کہ تربیت یافتہ استاد باقاعدہ اشارات سبق تیار کر کے پڑھائے لیکن اگر اسے اشاراتِ سبق کی تیاری کی تربیت حاصل ہو چکی ہے تو وہ پڑھانے سے قبل ضرور سبق کی تفصیلات پر غور کرے گا اور تدریسی عمل کے دوران مواد کی ترتیب و تنظیم کو ذہن نشین رکھے گا۔ سبق کی تیاری سے متعلق ضروری باتوں کا علم تدریسی عمل کے لیے ہر لحاظ سے سودمند ثابت ہوتا ہے۔

نوعیت کے اعتبار سے اسباق کی عام طور پر تین قسمیں ہوتی ہیں۔

۱۔ معلوماتی اسباق
۲۔ مہارتی اسباق
۳۔ استحسانی اسباق

۱۔ معلوماتی اسباق:

معلوماتی اسباق کے ذریعے عام طور پر معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ سماجی اور سائنسی علوم عام طور پر معلوماتی اسباق کے زمرے میں آتے ہیں۔ ادبیات کے نثری اسباق بھی معلوماتی اسباق کے تحت آتے ہیں اس لیے کہ ان کے ذریعے بچوں کو نئے الفاظ و محاورات کا علم کرایا جاتا ہے، صرف و نحو کی معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں اور نفسِ مضمون سے متعلق ان کی معلومات میں اضافہ کرایا جاتا ہے۔ انھیں مقاصد کے پیشِ نظر ان اسباق کے پڑھانے کا طریقہ دوسرے اسباق سے مختلف ہوتا ہے۔

۲۔ مہارتی اسباق:

مہارتی اسباق، ان اسباق کو کہتے ہیں جن کے ذریعے مخصوص مہارتوں کی نشو و نما کرائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مرنے کا سبق، مہارتی سبق میں شمار ہوگا اس لیے کہ اس کے ذریعے مخصوص مہارتیں پیدا کرانا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح جغرافیہ کے مضمون میں نقشا کشی کرانا ایک مہارتی سبق ہوتا ہے۔ زبان کی تعلیم کے دوران بھی ایسے اسباق پڑھائے جاتے ہیں جن کے ذریعے مخصوص مہارتوں کی نشو و نما مقصود ہوتی ہے جیسے نقل نویسی یا املا نویسی کے سبق کے ذریعے

www.urduchannel.in

طالب علموں میں سماعت اور تحریر کی بعض بنیادی مہارتوں کی داغ بیل پڑتی ہے۔

۳۔ استحسانی اسباق:

استحسانی اسباق ان اسباق کو کہتے ہیں جن کے ذریعے طلبہ میں حسن لطیف اور ذوقِ سلیم کی تربیت کرانا مقصود ہوتا ہے۔ استحسانی سبق کے ذریعے حصولِ معلومات کو بھی ذہن میں رکھا جاتا ہے لیکن اس کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ اوّلین اہمیت لطف اندوزی کی ہوتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ پرائمری سطح پر نظم پڑھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو نظم سے لطف اندوز کرایا جائے۔ شعر کی موسیقی ترنم اور آہنگ سے انھیں محظوظ کرایا جائے اور مناسب لب و لہجے کے ساتھ نظم خوانی کی تربیت دی جائے۔

مذکورہ بالا باتوں کے پیشِ نظر اساتذہ کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ کسی ایک قسم کا سبق تمام مضامین پڑھانے کے لیے موزوں نہیں ہوتا بلکہ مضامین کی نوعیت کے پیشِ نظر الگ الگ قسم کے اسباق پڑھانے کے لیے علاحدہ نوعیت کے اسباق تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگلے صفحات میں اشارات سبق کے چند نمونے دیے گئے ہیں۔ اساتذہ اور زیرِ تربیت اساتذہ دونوں ہی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مزید سہولت کے لیے ذیل میں ایک توضیحی نوٹ بھی دیا گیا ہے۔

توضیحی نوٹ:

پڑھنا سکھانے کے طریقوں کے ضمن میں اس بات کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ ابتدائی سطح پر طریقۂ تعلیم کا تعین دو سطح پر کرنا چاہیے۔ پہلی سطح، جماعت اوّل و دوم پر مشتمل ہوگی اور دوسری سطح چوتھی اور پانچویں جماعت پر۔ تیسری جماعت درمیانی منزل ہے جو دونوں منزلوں کے درمیان پل کا کام کرتی ہے۔

پہلی منزل پر زبان کی تعلیم پڑھنا اور لکھنا سکھانے تک محدود ہوگی، عام طور پر اردو کا قاعدہ، اردو کی پہلی کتاب اور اردو کی دوسری کتاب اس منزل پر اردو پڑھانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ پہلی کتاب کے آخر میں اور دوسری کتاب میں آسان جملوں پر مشتمل نثری عبارت اور

www.urduchannel.in

ہلکی پھلکی نظمیں بھی داخلِ نصاب ہوتی ہیں۔ انھیں پڑھانے کے لیے نثر و نظم کی تدریس کا طریقہ نہیں استعمال کرنا چاہیے بلکہ موٹے طور پر یہ سمجھنا چاہیے کہ پہلی جماعت میں پڑھنا اور لکھنا سکھانا مقصود ہوتا ہے اور دوسری جماعت میں الفاظ سے جملے بنانے پر زور دیا جاتا ہے۔ نظم بھی اسی انداز سے پڑھانی چاہیے کہ بچے مصرعے اور شعر پہلے اجتماعی طور پر پھر انفرادی طور پر زبانی یاد کر سکیں۔

نثر اور نظم کی تدریس کا طریقہ تیسری جماعت سے شروع ہوگا، تیسری جماعت میں بھی محض اس کا تعارف ہوگا۔ باقاعدہ ان طریقوں کا استعمال چوتھی جماعت سے ہوگا۔

ان ملحوظات کے پیشِ نظر پہلی جماعت کے لیے حروف شناسی کے پہلے دو اسباق کا نمونہ دیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح لفظ واری یا جملے واری طریقے سے حروف شناسی کرائی جائے۔ نمونے کے ان دو اسباق کے علاوہ ایک ایک سبق کا نمونہ اعراب اور حروفِ علت پر ہے باقی چار اسباق نظم و نثر اور انشا کی تدریس کے لیے اشاراتِ سبق کے نمونے دیے گئے ہیں۔

www.urduchannel.in

نمونے کے اسباق

جماعت۔ اوّل
مضمون۔ اردو
عنوان۔ حروف شناسی (د۔ ر۔ س)

تدریسی مقاصد:

(۱) طلبہ د۔ ر۔ س حروف کی شناخت کر سکیں۔
(۲) طلبہ د۔ ر۔ س کو صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھ سکیں۔
(۳) طلبہ د۔ ر۔ س کی ملواں شکلوں سے واقف ہو سکیں۔
(۴) طلبہ د۔ ر۔ س کو ملا کر لفظ اور لفظ سے جملے بنا سکیں۔

سابقہ معلومات: بچے حروف تہجی سے واقف نہیں لیکن بول چال میں ان آوازوں سے آشنا ہیں

امدادی سامان: (۱) دس غباروں کا ایک چارٹ
(۲) گنّے کے رس کی دکان کا ایک چارٹ

تمہید : استاد بچّوں کو دس غباروں کا چارٹ دکھائے گا اور چارٹ سے متعلق بات چیت اور سوال و جواب کرے گا۔

اس چارٹ میں کیا دکھائی دے رہا ہے؟

اس میں دس غبارے دکھائی دے رہے ہیں۔ لفظ دس پر زور دیتے ہوئے بچّوں سے دہرانے کو کہا جائے گا۔

دس میں کون کون سی آوازیں ہیں۔

اعلان سبق : آج کے سبق میں د اور س کی آواز کی پہچان کے ساتھ ساتھ ان کی علامتوں یعنی د اور س کی شناخت کرائی جائے گی۔

تحریر : استاد تختۂ سیاہ پر یہ جملہ لکھے گا۔

دس غبارے ہیں۔

د س د س

www.urduchannel.in

استاد، پہلے خود پڑھے گا۔ پھر بچّوں سے زبانی پڑھوائے گا۔ پھر بتائے گا۔
دَ کی آواز کے لیے د (دال) اور سَ کی آواز کے لیے س (سین) ہے
د (دال) اور س (سین) کئی بار کہلوائے جائیں گے
اب استاد، بچّوں کو گنّے کے رس کی دکان کا چارٹ دکھائے گا اور پوچھے گا۔
اس چارٹ میں کیا دکھائی دے رہا ہے؟
یہاں گنّے کا رس ملتا ہے
پھر تختۂ سیاہ پر یہ جملہ لکھے گا۔
گنّے کا رس ہے
لفظ رس پر زور دیتے ہوئے بچّوں سے دہرانے کو کہے گا۔
رس میں کون کون سی آوازیں ہیں؟
اب آپ کو ر کی آواز کی پہچان کے ساتھ اس کی علامت یعنی ر (رے) کی شناخت کرائی جائے گی
استاد تختۂ سیاہ پر یہ جملے لکھے گا۔

گنّے کا رس ہے

استاد، پہلے خود پڑھے گا۔ پھر بچّوں سے زبانی پڑھوائے گا۔ اس کے بعد بتائے گا۔
رَ کی آواز کے لیے ر (رے) کی علامت استعمال ہوتی ہے۔
(اس کی علامت پہلے سیکھ چکے ہیں)

کیا سیکھا : د، ر اور س حروف کی شناخت اور ان کی ملواں شکلوں کی پہچان

بنائیے : ان تینوں حروف سے نئے لفظ بنائیے۔
د اور ر مل کر در
س اور ر مل کر سر

مشق : مشق کے لیے بول چال کے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جائے گا جن میں د، ر اور س کی آوازیں استعمال کی گئی ہوں۔

www.urduchannel.in

جماعت اوّل
مضمون اردو
عنوان حروف شناسی (ٹ ۔ ب ۔ ن ۔ ل)

تدریسی مقاصد:

(۱) طلبہ ٹ ۔ ب ۔ ن ۔ ل کی شناخت کر سکیں ۔
(۲) طلبہ ٹ ۔ ب ۔ ن ۔ ل کو صحیح ادائگی کے ساتھ پڑھ سکیں ۔
(۳) طلبہ ٹ ۔ ب ۔ ن ۔ ل کی ملواں شکلوں سے واقف ہو سکیں ۔
(۴) طلبہ ٹ ۔ ب ۔ ن ، ل کو ملا کر لفظ اور لفظوں سے جملے بنا سکیں ۔

سابقہ معلومات:۔

طلبہ دیوناگری اور رومن حروف کی شناخت کر سکتے ہیں اور پڑھ سکتے ہیں ۔

امدادی سامان: (۱) ایک چارٹ جس میں ٹب اور نل کی تصویر ہوگی ۔
(۲) حروف تہجی کے کارڈ ۔

تمہید : استاد بچوں کو چارٹ دکھائے گا اور اس سے متعلق بچوں سے بات چیت کرے گا ۔ پھر دیکھو بولو طریقے سے پڑھوائے گا ۔

یہ ٹب ہے
یہ نل ہے

استاد، بچوں سے پوچھے گا ۔

'ٹب' میں کون کون سی آوازیں ہیں ؟
ٹ اور ب کی آوازیں ہیں ۔
'نل' میں کون کون سی آوازیں ہیں ؟
ن اور ل کی آوازیں ہیں ۔

اعلان سبق : اب ان آوازوں کی پہچان کے ساتھ ان کی علامتوں سے یعنی ٹ (ٹے) ب (بے)

www.urduchannel.in

ن (نون) اور ل (لام) سے روشناس کرایا جائے گا۔

تحضیر استاد تختۂ سیاہ پر یہ جملہ لکھے گا۔

یہ ٹب ہے

استاد پہلے خود پڑھے گا۔ پھر بچوں سے زبانی کہلوائے گا اور اس دوران ٹب پر خاص طور سے زور دے گا۔

'ٹب' کی پہلی آواز کو ٹ اور دوسری آواز کو ب سے ظاہر کیا جائے گا۔

ٹ اور ب کو تختۂ سیاہ پر لکھ کر بچوں سے کئی بار پڑھوایا جائے گا۔

اسی طرح استاد، دوسرا جملہ تختۂ سیاہ پر لکھے گا۔

یہ نل ہے

استاد، پہلے خود پڑھے گا۔ پھر بچوں سے زبانی کہلوائے گا اور اس دوران ن اور ل کی آواز پر زور دے گا۔

اور یہ بھی بتائے گا کہ ن کی آواز کو 'ن' سے اور ل کی آواز کو 'ل' سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی ملواں شکلوں کی بھی شناخت کرائی جائے گی۔

استاد، تختۂ سیاہ پر ن اور ل لکھ کر بچوں سے بار بار پڑھوائے گا۔

آپ نے سیکھا: ٹ، ب، ن اور ل

کل سیکھا تھا: د، ر، س

بنائیے : اب ان حروف سے لفظ بنوائے جائیں گے جیسے

ب + ن : بن

ب + ل : بل

ب + د : بد

ر + ب : رب

ر + ٹ : رٹ

ٹ + ل : ٹل

مشق : مشق کے لیے زبانی الفاظ بنوائے جائیں گے۔

www.urduchannel.in

جماعت : اوّل
مضمون : اردو
عنوان : اعراب کی شناخت (تشدید)

تدریسی مقاصد:

طلبہ کو تشدید والے الفاظ سے روشناس کرانا۔
طلبہ کو تشدید کے استعمال سے واقف کرانا۔
طلبہ کو تشدید والے الفاظ کو پڑھنے اور لکھنے کی مشق کرانا۔

سابقہ معلومات: بچے قاعدہ پڑھنے کے دوران بول چال کے کافی الفاظ پڑھ چکے ہیں لیکن تشدید والے الفاظ سے اگر سابقہ بھی پڑا ہوگا تو بھی تشدید کی اہمیت سے واقف نہیں ہوں گے۔

امدادی سامان: کتے اور بلی کا ایک چارٹ

تمہید : بچوں کو موضوع سے متعارف کرانے کے لیے کلاس میں پڑھائی کا ماحول پیدا کرانا ہوگا۔ اس غرض سے استاد بچوں کو ایک چارٹ دکھائے گا چارٹ پر لکھا ہوگا۔

کتا بھونکتا ہے بلّی میاؤں میاؤں کرتی ہے۔

یہ الفاظ بچوں سے پڑھوائے جائیں گے۔ اس دوران اس بات کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جائے گی کہ لفظ 'کتّا' بولتے وقت 'تّ' کی آواز دو بار ادا ہوتی ہے اور لفظ 'بلّی' بولتے وقت 'لّ' کی آواز دو بار ادا کی جاتی ہے۔ اور اس کے اوپر 'ـّـ' کا نشان بنا ہوتا ہے۔

اعلان سبق : آج اس سبق میں یہی بتایا جائے گا کہ اس نشان کو کیا کہتے ہیں اور اس کو لگانے سے تلفظ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

تحضیر : استاد تختۂ سیاہ پر موٹے حروف میں وہی دو جملے لکھے گا۔

کتا بھونکتا ہے ، بلی میاؤں میاؤں کرتی ہے۔

استاد بچوں سے لفظ 'کتا' اور لفظ 'بلی' کا تلفظ بآواز بلند ادا کرائے گا پھر 'ت'

www.urduchannel.in

کی آواز کی تکرار کی طرف اشارہ کرے گا اور یہ بتائے گا کہ لفظ 'کتا' میں 'ت' کی آواز دو بار ادا ہوتی ہے یعنی دو بار اس کو پڑھا جاتا ہے لیکن سہولت کے خیال سے آواز کی تکرار کو 'ّ' کے نشان سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لفظ 'بلّی' میں 'ل' کی آواز کے بارے میں بتایا جائے گا۔

استاد، بچّوں سے ایسے اور چار لفظ کہلوائے گا جن میں تشدید کا نشان لگایا جاتا ہو۔ بچّوں سے بات چیت کے دوران مندرجہ ذیل الفاظ کے تلفّظ ادا کرائے جائیں گے اور انھیں تشدید کے ساتھ تختۂ سیاہ پر لکھا جائے گا۔

لڈّو ، لٹّو ، ٹٹّو ، کھٹّا

مشق : مشق کے لیے بچّوں سے کہا جائے گا کہ ایسے اور الفاظ بنائیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔ مشق کے لیے الفاظ اور تشدید کے چارٹ بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

www.urduchannel.in

جماعت: دوم
مضمون: اردو
عنوان: واو مجہول کی شناخت

تدریسی مقاصد:

طلبہ میں اس بات کی مہارت پیدا کرانا کہ وہ واو مجہول کی شناخت کر سکیں۔
طلبہ میں اس بات کی مہارت پیدا کرانا کہ وہ واو مجہول لگا کر صحیح اعراب کے ساتھ لفظ پڑھ سکیں۔
طلبہ میں اس بات کی مہارت پیدا کرانا کہ وہ صحتِ تلفظ کے ساتھ لفظ اور جملے پڑھ سکیں۔

سابقہ معلومات: بچے واؤ معروف کی شناخت کر سکتے ہیں۔
بچے واؤ معروف والے الفاظ صحیح اعراب کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔
بچے واؤ معروف والے الفاظ صحیح تلفظ اور روانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

تدریسی سامان: واو مجہول والے الفاظ کا ایک چارٹ۔
لوٹا، ٹوپی، روٹی

تمہید : استاد بچوں سے گزشتہ سبق سے متعلق درج ذیل سوالات پوچھے گا۔
تختۂ سیاہ پر لکھ کر استاد پوچھے گا: "یہ چوہا ہے" کیا لکھا ہے؟
اسی طرح دوسرا جملہ لکھے گا۔ "یہ کھیل کا جوتا ہے" کیا لکھا ہے؟
اب تیسرا جملہ لکھے گا۔ "یہ ٹوپی ہے" اس جملے کو بھی پڑھوائے گا۔
اور پھر دونوں کے اعراب کا فرق ظاہر کرتے ہوئے بتائے گا کہ کل جو الفاظ پڑھے گئے تھے ان میں واؤ پر الٹا واد لگا ہوا ہے اور ٹوپی میں یہ نہیں لگایا گیا۔

اعلان سبق : آج یہی پڑھایا جائے گا کہ جن الفاظ کو پڑھتے وقت آواز پر بل نہیں دیتے انھیں کیا کہا جاتا ہے اور انھیں کس طرح پڑھا جاتا ہے۔

تحضیر : استاد، لوٹا، ٹوپی اور روٹی کا چارٹ دکھائے گا۔ بچوں سے باری باری یہ الفاظ پڑھوائے گا اور ان تینوں الفاظ میں 'و' کی آواز جس طرح ادا ہوتی

www.urduchannel.in

نے اس کی طرف اشارہ کرے گا اور یہ بتائے گا کہ چونکہ ان الفاظ پر الٹا واو نہیں لگایا گیا ہے اس لیے ان کو پڑھتے وقت آواز پر بل نہیں دیتے۔

مشق : مشق کے لیے واو مجہول والے الفاظ بچوں سے دریافت کرائے جائیں گے اور دوران گفتگو ان کے تلفظ کی مشق کرائی جائے گی۔

موٹا ، تونا ، سونا ، رونا ، دھونا ، کونا

جماعت : دوم

مضمون : اردو نثر

عنوان : پڑھائی کا ایک سبق (بہادر لڑکا)

تدریسی مقاصد :

طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا۔

طلبہ میں باآواز بلند پڑھنے کی مہارت پیدا کرانا۔

طلبہ کو نفس مضمون سے واقف کرانا۔

طلبہ سے زبان کا کام کرانا۔

طلبہ میں بہادری کا جذبہ پیدا کرانا۔

سابقہ معلومات :-

طلبہ درسی کتاب کے کئی اسباق پڑھ چکے ہیں

امدادی سامان : ایک چارٹ جس میں سامنے سے ریل آرہی ہے۔ پل کے ایک سرے پر ایک لڑکا اپنی قمیص ہوا میں لہرا رہا ہے۔

تمہید : استاد چارٹ کو کلاس میں آویزاں کردے گا۔ پھر بات چیت کے دوران بچوں سے پوچھے گا۔

اس چارٹ میں کیا دکھائی دے رہا ہے؟

ریل کس سمت آرہی ہے؟

لڑکا ہاتھ میں کیا چیز لیے ہوئے لہرا رہا ہے؟

لڑکا اپنی قمیص کیوں لہرا رہا ہے؟

www.urduchannel.in

اعلان سبق: استاد بچوں کو بتائے گا کہ لڑکا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ریل کو رُکوانا چاہتا ہے تاکہ پل تک پہنچنے سے قبل ہی ٹرین رک جائے اور مسافروں کی جان بچ جائے۔ یہ ایک بہادر لڑکے کی کہانی ہے۔ آج آپ کو یہی کہانی پڑھائی جائے گی۔ اپنی کتاب میں فہرست مضامین دیکھ کر بہادر لڑکا، سبق نکالیے۔

تحضیر

نمونے کی بلند خوانی: استاد صحیح تلفظ، ادائیگی اور روانی کے ساتھ سبق پڑھ کر سنائے گا اور بچے اپنی اپنی کتابوں میں غور سے دیکھیں گے۔

بچوں سے باری باری عبارت پڑھوائی جائے گی اس دوران مندرجہ ذیل باتوں پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

انفرادی بلند خوانی:

۱۔ بچے سیدھے کھڑے ہو کر پڑھیں۔
۲۔ بچے کتاب ہاتھ میں لے کر پڑھیں۔
۳۔ بچے پڑھتے وقت پورا جملہ ایک سانس میں پڑھیں۔
۴۔ بچے پڑھتے وقت تلفظ اور لب و لہجے کا خیال رکھیں

تلفظ کی مشق: استاد مندرجہ ذیل تراکیب کو تختۂ سیاہ پر صاف صاف لکھے گا اور پھر انفرادی طور پر ان کے تلفظ کی مشق کرائے گا۔

چوڑے چکلے

ہرے بھرے

اخذ معنی: دوسری جماعت کے بچوں کو ایتلاف مادی کے ذریعے الفاظ کے معنی بتائے جائیں گے اور اگر یہ صورت ممکن نہ ہوئی تو پھر کتاب سے وہ جملے تلاش کروائے جائیں گے جن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور پھر معنی بتائے جائیں گے۔

چوڑے چکلے میدان : بڑے میدان

ہرے بھرے کھیت : ہریالی سے بھرے ہوئے کھیت

درّوں - درّہ کی جمع : دو پہاڑی کے درمیان کا تنگ راستہ درّہ کہلاتا ہے

نفس مضمون سے واقفیت: استاد بچوں سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گا۔

لڑکے نے کیا دیکھا؟

www.urduchannel.in

ریل کدھر جا رہی تھی؟
لڑکے نے کیا بات سوچی؟
لڑکے نے ریل روکنے کے لیے کیا کیا؟
اس نے کس طرح مسافروں کی جان بچائی؟

زبان کا کام جیسے ذرّہ سے ذرّوں بنتا ہے۔
ویسے ہی بناتیے۔
ذرّہ سے ....

تحریری کام : بچّوں سے مندرجہ ذیل جملے صاف صاف کاپی میں لکھوائے جائیں گے۔

چوڑے چکلے میدان ہیں
ہرے بھرے کھیت ہیں
اندھیرے درّوں سے ریل گزرتی ہے۔

نقل نویسی

جماعت : سوم
مضمون : اردو
عنوان : نقل نویسی

تدریسی مقاصد:

(۱) طلبہ میں نقل لکھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
(۲) طلبہ کی تحریری رفتار میں میں اضافہ کرانا۔

www.urduchannel.in

(۳) طلبہ میں بنا بنا کر لکھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
(۴) طلبہ میں صفائی کے ساتھ لکھنے کی عادت ڈالنا۔

سابقہ معلومات: طلبہ اس سے قبل بھی نقل نویسی کر چکے ہیں۔

تمہید : طلبہ کے خیالات کو مجتمع کرنے اور انھیں نقل نویسی کی جانب مائل کرانے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات کیے جائیں گے۔

۱۔ کل آپ نے کون سا سبق پڑھا تھا؟
۲۔ اس سبق میں کس بات کا ذکر کیا گیا ہے؟
۳۔ سورج کی پری کا گھر کہاں تھا؟

اعلان سبق : سوال و جواب کے اختتام پر استاد طلبہ سے کہے گا کہ آج آپ سبق کے ایک پیرا کی صاف صاف نقل لکھیں گے۔

ہدایات : نقل نویسی سے قبل طلبہ کو مندرجہ ذیل ہدایات دی جائیں گی۔

(۱) تمام بچے اپنی کتابیں ڈیسک پر رکھ لیں اور 'سورج کی پری' سبق نکالیں۔
(۲) اپنی کاپی ڈیسک پر سیدھی رکھیں۔
(۳) قلم کو ٹھیک سے پکڑیں۔
(۴) سیدھے بیٹھ کر لکھیں۔
(۵) لکھتے وقت حروف کی بناوٹ اور سطروں کا خیال رکھیں۔

نقل نویسی : تمام بچے نقل نویسی کریں گے استاد ان کی نگرانی کرے گی۔

اصلاح اور مشق: نقل نویسی کے اختتام پر تمام کاپیاں جمع کر لی جائیں گی اور انفرادی طور پر ان کی اصلاح کی جائے گی۔ بچے کی غلطیوں، شوشوں اور دائروں کی بناوٹ پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اصلاح شدہ الفاظ کی مشق کرائی جائے گی

www.urduchannel.in

جماعت : سوم
مضمون : اردو
عنوان : ایک نظم (جاڑا)

تدریسی مقاصد:

طلبہ کو نظم سے لطف اندوز کرانا
طلبہ کو تاثر کے ساتھ نظم پڑھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
طلبہ کو ہلکی پھلکی نظمیں یاد کرنے کا شوق پیدا کرانا۔

سابقہ معلومات : اس سے قبل طلبہ ہلکی پھلکی بیانیہ نظمیں پڑھ چکے ہیں۔

تمہید : استاد، تمہیدی گفتگو کے دوران بچوں سے پوچھے گا۔
آپ نے اس سے قبل کون سی نظم پڑھی ہے؟
بچوں کے جواب کی روشنی میں استاد، بچوں کو بتائے گا کہ بعض نظمیں موسم سے متعلق بھی لکھی گئی ہے جیسے جاڑا، گرمی اور برسات۔

اعلان سبق : آج ہم نظم پڑھنے جارہے ہیں یہ جاڑے پر لکھی گئی ہے۔ غور سے سنیے اور اپنی کتاب میں دیکھیے کہ شاعر نے اس نظم میں جاڑے کی کیفیت کتنے اچھے ڈھنگ سے بیان کی ہے۔

تحضیر :

نمونے کی بلند خوانی : استاد مناسب لب و لہجے، آہنگ اور تاثر کے ساتھ نظم پڑھ کر بچوں کو سنائے گا۔ نظم کے اختتام پر لمحہ بھر کو رُکے گا تاکہ بچوں پر نظم کا تاثر قائم ہوجائے۔ نظم کی جانب متوجہ کرانے کے لیے استاد درج ذیل سوالات پوچھے گا۔

نظم سے متعلق سوالات: یہ نظم کس موسم کے بارے میں لکھی گئی ہے؟
اس نظم میں جاڑے کی کون سی کیفیت بیان کی گئی ہے؟

انفرادی بلند خوانی : نظم بچوں سے باری باری پڑھوائی جائے گی۔ اس دوران اس بات پر خصوصی توجہ دی جائے گی کہ بچے مصرعوں کو موزوں کرکے پڑھنا سیکھ جائیں اور شعر

www.urduchannel.in

کے آہنگ و تاثر کا خیال رکھیں۔

نظم سے لطف اندوز کرانا: نظم کے اشعار سے لطف اندوز کرانے کے لیے استاد درج ذیل سوالات پوچھے گا۔ طلبہ کے جواب کی روشنی میں، استاد زبان کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرے گا۔

"جاڑا دھوم مچاتا آیا" اس مصرعے میں جاڑے کی کون سی کیفیت بیان کی گئی ہے؟

جاڑے میں ہوا کے چلنے کو 'فرفر' کیوں کہا گیا ہے؟

'تھرتھر' کانپنے سے کیا مراد ہے؟

جاڑوں میں سورج جلدی کیوں چھپ جاتا ہے؟

"لگتی ہے اس کو بھی سردی" سے سورج کے کس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

(اس موقعے پر استاد، خصوصیت کے ساتھ بتائے گا کہ جاڑے میں سورج میں نہ تو تپش ہوتی ہے اور نہ وہ چمک، جو گرمی میں ہوتی ہے۔ اوپر کے مصرعوں میں شاعر نے سورج کی اسی کیفیت کو بہت اچھے ڈھنگ سے بیان کیا ہے)

ہا، ہا، ہی، ہی، ہی، ہو، ہو، سی، سی، سی، سی، اس قسم کی آوازیں کس موقعے پر نکلتی ہیں؟

'ہائے رے سردی! ہائے رے سردی' ایسے فقرے کس موقعے پر بولے جاتے ہیں؟ یہاں اس فقرے سے کیا مراد ہے؟

"سارے بدن میں برف سی بھر دی" اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

یہاں خصوصیت کے ساتھ استاد مطلب سمجھاتے ہوئے زبان کی خوبی کی جانب اشارہ کرے گا۔

استحسانِ شعر: اس نظم میں آپ کو کون سا شعر پسند آیا؟ اور کیوں؟

تحریری کام: اپنے پسندیدہ شعر کو اپنی کاپی میں صاف صاف لکھیے۔

www.urduchannel.in

جماعت چہارم مضمون : اردو

عنوان : پڑھائی کا ایک سبق (جنگل کا بادشاہ)

تدریسی مقاصد:

طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرانا۔

طلبہ میں بآواز بلند اور خاموش مطالعے کی مہارت پیدا کرانا۔

طلبہ کو نفسِ مضمون سے واقف کرانا۔

طلبہ سے زبان کا کام کرانا۔

سابقہ معلومات:۔ طلبہ درسی کتاب کے کئی اسباق پڑھ چکے ہیں۔

امدادی سامان: دُبلے پتلے شیر کی تصویر کا ایک چارٹ

تمہید : استاد چارٹ دکھاتے ہوئے بچوں سے پوچھے گا۔

یہ کس جانور کی تصویر ہے؟

شیر کو جنگل کا بادشاہ کیوں کہتے ہیں؟

اعلان سبق: آج آپ کو 'جنگل کا بادشاہ' سبق پڑھایا جائے گا۔ اپنی اپنی کتاب سے فہرست

تحضیر :۔ مضامین کی مدد سے سبق ڈھونڈیے اور نکالیے۔

نمونے کی بلند خوانی: استاد عبارت پڑھ کر بچوں کو سنائے گا اور اس دوران اوقاف و سکون، تلفظ، لب و لہجے اور روانی کا خیال رکھے گا۔

انفرادی بلند خوانی: بچوں سے باری باری عبارت پڑھوائی جائے گی اور اس دوران مندرجہ ذیل باتوں کی طرف بچوں کی توجہ مبذول کرائی جائے گی۔

۱۔ عبارت کے تقاضے کے مطابق عبارت پڑھیں۔

۲۔ لب و لہجے کا خیال رکھیں۔

۳۔ بچے اور ادائیگیِ الفاظ پر توجہ دیں۔

۴۔ روانی اور تاثر کے ساتھ عبارت پڑھیں۔

تلفظ کی مشق:۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو تختۂ سیاہ پر لکھ کر انفرادی طور پر طلبہ سے تلفظ کی مشق کرائی جائے

www.urduchannel.in

گی. فولاد، دہاڑنا، بدحواسی۔

اخذ معنی:۔ فولاد، دہاڑنا اور بدحواسی کے معنی طلبہ سے اخذ کرائے جائیں گے اور جملوں میں استعمال کر کے معنی سمجھائے گے۔

خاموش مطالعہ: بچوں سے کہا جائے گا کہ عبارت کا خاموشی کے ساتھ مطالعہ کریں تاکہ عبارت کا مفہوم ذہن نشین ہو جائے۔ خاموش مطالعے کے دوران محض نظر سے کام لینا چاہیے ہونٹ نہیں ہلنے چاہیں۔

نفسِ مضمون کی جانچ: استاد نفسِ مضمون کی جانچ کے لیے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گا۔

اس سبق میں کس ملک کے شیر کا ذکر کیا گیا ہے؟
شیر کو فاقوں کا مارا اور ہڈیوں کی مالا کیوں کہا گیا ہے؟
شیر کو گلی گلی پھرنے والا کتا، کیوں کہا گیا ہے؟
شیر کی آواز کو ہارمونیم کی الاپ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟
شیر کی آنکھ کی چمک کو پرانی لالٹین کیوں کہا گیا ہے؟
شیر کے جبڑے کو لوہے اور فولاد کی طرح کیوں کہا گیا ہے؟
شیر کے دانت اور پنجوں کو کن کن چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے؟
اس سبق میں جنگل کے بادشاہ کی کیا تصویر پیش کی گئی ہے؟

زبان کا کام: اس سبق میں بعض ایسے جملے ہیں جن میں تشبیہ استعمال کی گئی ہے ایسے جملوں کو تلاش کیجیے اور اپنی کاپی میں نوٹ کیجیے۔

تشبیہ کی تعریف لکھیے۔

جماعت: پنجم
مضمون: اردو (نظم)
عنوان: تتلی (ایک نظم)

تدریسی مقاصد:

(۱) طلبہ کو اوزان بحر اور آہنگ کے ساتھ نظم پڑھنے کی مہارت پیدا کرانا۔
(۲) طلبہ کو بیانیہ نظموں سے لطف اندوز کرانا۔

www.urduchannel.in

(۳) طلبہ کو ہلکی پھلکی نظمیں یاد کرنے کا شوق پیدا کرانا۔
(۴) طلبہ کو پسندیدہ اشعار کے انتخاب کا شوق پیدا کرانا۔

سابقہ معلومات: اس سے قبل طلبہ کئی بیانیہ نظمیں پڑھ چکے ہیں۔ اور چوتھی جماعت میں حب الوطنی پر ایک نظم ہمارا وطن پڑھ چکے ہیں۔

تمہید : استاد، تمہیدی گفتگو کے دوران بچوں سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گا
اس سے قبل آپ نے کون کون سی نظمیں پڑھی ہیں؟
بچوں کے جواب کی روشنی میں استاد بچوں کو بتائے گا کہ انھوں نے جو نظمیں پڑھی ہیں ان میں سے بعض موسم سے متعلق ہیں اور بعض حب الوطنی پر ہیں۔ ان تمام نظموں میں بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

اعلان سبق : آج آپ کو ایک دوسری بیانیہ نظم "تتلی" پڑھائی جائے گی۔ اس نظم میں تتلی کی خوبصورتی اور اس کے اڑنے اور بیٹھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ غور سے سنیے اور لطف اٹھائیے۔

تحفیر :

نمونے کی بلند خوانی : استاد وزنِ شعر اور آہنگ کے ساتھ نظم پڑھ کر بچوں کو سنائے گا۔ نظم کے اختتام پر لمحہ بھر رُکے گا تاکہ نظم کا تاثر بچوں پر قائم ہو جائے۔ نظم کی جانب طلبہ کو متوجہ کرانے کے لیے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے جائیں گے۔

نظم کا اجمالی جائزہ: اس نظم میں کس چیز کا بیان ہے؟
تتلی کی کس کیفیت کو شاعر نے بیان کیا ہے؟

نظم کا تفصیلی جائزہ: آیئے دیکھیں شاعر نے تتلی کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں کیسے کیسے رنگ بھرے ہیں۔

"پر کھول کے تتلیوں کی پرواز" "پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز" اس شعر میں تتلی کی کون سی کیفیت بیان کی گئی ہے؟

"رس لے کے اڑیں وہ جس پہ بیٹھیں" اس مصرعے میں کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

"نازک نازک وہ خوشنما پر، اڑتی ہوئی پتیاں ہوا پر" اس شعر میں پروں کی خوبصورتی کو کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔

www.urduchannel.in

(استاد مزید وضاحت کے لیے تشبیہ اور استعارے کا فرق بتائے گا)

"وہ نقش و نگار وہ بوٹے پر ان کے چھو تو رنگ چھوٹے"

پہلے مصرعے میں نقش و نگار اور بوٹے سے کس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

دوسرے مصرعے میں پروں کے رنگ کی کون سی کیفیت بیان کی گئی ہے؟

"پر کیا ہیں چمن کھلے ہوئے ہیں" اس مصرعے میں پر کو چمن کیوں کہا گیا ہے؟

(استاد، اس موقعے پر طلبہ کے جواب میں اضافہ کرے گا اور انھیں انداز بیان کی خوبیوں کی طرف متوجہ کرائے گا)

"ہیں رنگ کئی ہر ایک پر پر چھوٹا سا چمن ہے ان کا ہر ایک پر

اس شعر کے پہلے مصرعے میں پر پر دو بار آیا ہے۔ ان دونوں کے معنی کی طرف بات چیت کے دوران معروضیت سے طلبہ کو متوجہ کرایا جائے گا۔

ہر ایک پر کو چھوٹا سا چمن کیوں کہا گیا ہے؟

آخر میں استاد، نظم کی خوبیوں کو مجموعی طور پر بیان کرے گا اور اسلوب بیان کی طرف اشارہ کرے گا

استحسان شعر: اس نظم میں آپ کو کون سا شعر پسند آیا؟ پسندیدگی کی وجہ بھی بتائیے۔

انفرادی بلند خوانی: آخر میں باری باری نظم طلبہ سے پڑھوائی جائے گی۔ نظم خوانی کے دوران مصرعوں کی موزونیت، ترنم اور آہنگ کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جائے گی۔

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

تعلیم وتربیت اور والدین

مرتب: محمد اکرام خاں

صفحات: 176

قیمت:-/68روپے

سمندر ان پر حملہ

مصنف: ظفر احمد نظامی

صفحات: 288

قیمت:-/95روپے

ہندستانی مفسرین اور ان کی قرآنی تفسیریں

مصنف: محمد سالم قدوائی

صفحات: 352

قیمت:-/110روپے

آیئے لکھنا سیکھیں

مصنف: شکیل اختر فاروقی

صفحات: 88

قیمت:-/48روپے

مسلمان اور عصری مسائل

مصنف: سید عابد حسین

صفحات: 168

قیمت:-/67روپے

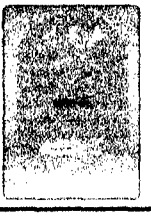

مصنف: ڈاکٹر نسیم لکھنوی

صفحات: 112

قیمت:-/46روپے

مصنف: وزیر آغا

صفحات: 248

قیمت:-/86روپے

مصنف: سلامت اللہ

صفحات: 312

قیمت:-/83روپے

ISBN :978-81-7587-464-0

9 788175 874640

₹ 74/-